Regd.# MC-1366

•جلد 12/•شمارہ 11/•جون/2023

دینی، اخلاقی اور معاشرتی اقدار کا علمبردار

ماہنامہ فہمِ دین

عید کی سہانی یادیں

عمل محبوب

اہلیت اور دیانت

تکریمِ انسانیت کے اُصول اور اُن کا دائرۂ کار

BAITUSSALAM PUBLICATIONS

91400056741

Baitussalam.org Baitussalam_org Baitussalam_org +9221-111-298-111

BAITUSSALAM

پاکستان کی سب سے بڑی وقف قربانی کا قابلِ اعتماد ادارہ

وقف قربانی 2023

عالمی ادارہ
بیت السلام
ویلفیئر ٹرسٹ

BAITUSSALAM

گائے فی حصہ	بکرا	FOR INTERNATIONAL DONORS
A Rs. 16,000	A Rs. 35,000	Baitussalam USA بیت السلام 501(c)(3) REGISTERED CHARITY
B Rs. 13,000	B Rs. 28,000	Cow $70/ Share
C Rs. 10,000		Goat/Sheep $150

Meezan Bank
The Premier Islamic Bank

BAITUSSALAM WELFARE TRUST
0115-102971042
PK38MEZN0001150102971042

Please inform at **qurbani.baitussalam.org**

Baitussalam USA بیت السلام
501(c)(3) REGISTERED CHARITY

Bank of America
Ac Title:**Baitussalam USA**
AC#:**325167671468**
Swift:**BOFAUS3N**

PayPal
PayPal.me/BaitussalamUSA
Zelle
donation@baitussalamusa.org

Please inform at **qurbani.baitussalam.org**

Book your Qurbani
Via WhatsApp
+92 21 111 298 111

آن لائن قربانی بکنگ کی اطلاع دینے کا آخری وقت 9 ذی الحجہ، صبح 9 بجے تک ہے۔

رقم ٹرانسفر کرنے والے حضرات بیت السلام کو لنک qurbani.baitussalam.org پر جا کر اطلاع ضرور کریں۔

اگر 9 ذی الحجہ، صبح 9 بجے (پاکستانی وقت کے مطابق) تک اطلاع نہیں کی تو ادارہ اس کو شرعی ضابطوں کے مطابق کسی بھی فلاحی کام میں استعمال کر سکتا ہے۔

ماہ نامہ

فہمِ دین

کراچی

جون 2023

فہم وفکر

تکریم انسانیت کے اُصول اور اُن کا دائرۂ کار	مدیر کے قلم سے	04

اصلاحی سلسلہ

فہم قرآن	شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم	05
فہم حدیث	مولانا محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ	06
آئینۂ زندگی	حضرت مولانا عبد الستار حفظہ اللہ	08

مضامین

حرمت والا مہینہ	حفصہ فیصل	10
حضرت اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ	حذیفہ رفیق	12
حضرت اُم سنان، حضرت امیہ بنت قیس رضی اللہ عنہا	ندا اختر	13
مسائل پوچھیں اور سیکھیں	مفتی محمد توحید	15
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بطور رہنما و حکمران	عصمت اسامہ	16
چیری	حکیم شمیم احمد	18
حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قربانی	اہلیہ شعیب	20

خواتینِ اسلام

عید کی سہانی یادیں	ام محمد سلمان	21
محبوب عمل	اہلیہ مظفر	22
قربانی کی روح	حمیرا علیم	24
بھوت کے جوتے	دعا اسماعارف	26
تلاش	طوبیٰ احسن	28
محبت یا عشق	اریبہ ارشد	29

باغیچہ اطفال

شاعر رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم	بنت تاجور	32
نوٹوں کا درخت	مہوش اسد شیخ	33
پہلے موجد	ڈاکٹر الماس روحی	35
بینو پہ کیا گزری	احمد رضا انصاری	36
یقین	قرۃ العین	37
ابابیلیں آیا چاہتی ہیں	ام عبد اللہ	39

بزمِ ادب

خطبہ حجۃ الوداع	ارسلان اللہ خان	42
وہی حق ہے وہی سچ ہے	جوہر عباد	43
گلدستہ	شیخ ابو بکر، عبد الرحمن چترالی	44

اخبار السلام

اخبار السلام	ادارہ	46

زیرِ سرپرستی

حضرت مولانا عبد الستار حفظہ اللہ

مدیر	محمد خرم شہزاد
نائب مدیر	قاری عبد الرحمن
نظرِ ثانی	طارق محمود
تزئین و آرائش	فیضان الحق شمسی

آراء و تجاویز کے لیے
0304-0125750

ڈاک سے متعلق امور کے لیے
0323-3229313 | 021-35393912

اشتہارات کے لیے
0314-2981344
marketing@fahmedeen.org

خط و کتابت اور بذریعہ منی آرڈر رسالے کے اجرا کے لیے
C-26 گراؤنڈ فلور بن سیٹ کمرشل اسٹریٹ نمبر 2، خیابانِ جامی، بالمقابل بیت السلام مسجد، ڈیفنس فیز 4 کراچی

زرِ تعاون

فی شمارہ	50 روپے
سالانہ برائے کراچی	750 روپے
سالانہ اندرون ملک	
عام ڈاک	750 روپے
رجسٹریشن پیکٹ	1250 روپے
سالانہ بیرون ملک	55 ڈالر

ناشر	مطبع	مقامِ اشاعت
فیصل زبیر	واسا پرنٹر	دفتر فہمِ دین

مدیر کے قلم سے

تکریمِ انسانیت کے اُصول اور اُن کا دائرۂ کار

مسلمان ہو اور غیر جانب دار ہو، یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ مسلمان ہونے کا تو مطلب ہی یہ ہے کہ وہ خدا کا طرف دار ہو گا اور اس کی طرف جھکاؤ رکھنے والا ہو گا۔
خدا کے منکر کی طرف اور رسول ﷺ کے گستاخ کی طرف اس کا جھکاؤ کیسے ہو سکتا ہے؟ یہ سوال کچھ دِنوں پہلے ایک ورکشاپ میں کیا گیا۔

چند دِنوں پہلے کی بات ہے، ہم بیچ لگژری ہوٹل میں داخل ہوئے، کئی رسالوں اور اخبارات کے مدیران وہاں مدعو تھے۔ دو روزہ ورکشاپ تھی، جس کا انعقاد عالمی ادارے "ہلالِ احمر" اور پاکستان کے معروف ادارے "انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی سٹڈیز" نے کیا تھا۔ جس موضوع پر مذاکرہ کے لیے سب کو جمع کیا گیا تھا، اس کی صورتِ حال کچھ یوں تھی: ہنگامی حالات ہیں۔ لوگ بے گھر ہو چکے ہیں، سر ڈھانکنے کے لیے چھت نہیں ہے، کھانے کے لیے روٹی نہیں ہے، پینے کے لیے صاف پانی نہیں ہے، علاج کے لیے دوائی نہیں ہے حتی کہ دلاسہ دینے کے لیے کوئی غم گسار نہیں ہے اور اس مصیبت سے چھٹکارے کا کوئی راستہ نہیں ہے، نقل مکانی کے لیے کوئی گاڑی نہیں ہے اور اگر سیلاب زدہ علاقہ ہے تو دفنانے کے لیے کوئی دو گز خشک جگہ نہیں ہے، یہ صورتِ حال کسی ایک ملک کی نہیں ہے، پاکستان کی بھی ہو سکتی ہے جیسے پچھلے سال سیلاب کی تباہ کاریوں میں ہوئی اور اس کے علاوہ کسی اسلامی ملک کی بھی ہو سکتی ہے، جیسے جنگ زدہ "شام" کی ہے اور کسی غیر مسلم ملک کی بھی ہو سکتی ہے جیسے یوکرین وغیرہ میں ہے۔ ایسی صورتِ حال میں عالمی رفاہی اداروں کے رضاکار یا اخبارات کے صحافی یا نیوز چینلز کے رپورٹر کن اصولوں کو بنیاد بنا کر وہاں خدمات سر انجام دے سکتے ہیں۔

مختلف مقررین نے اپنے اپنے زاویۂ فکر سے اس موضوع پر گفتگو کی، ایک آواز "ہلالِ احمر" کے شرعی ایڈوائزر ڈاکٹر ضیاء اللہ رحمانی کی ہال میں گونجی، سب اس کی طرف متوجہ ہوئے، وہ گویا ہوئے: ہمیں ان ہنگامی حالات میں تکریمِ انسانیت کے اصولوں کو مدّ نظر رکھنا ہو گا؛ کوئی جانب داری نہ ہو، کوئی ذاتی وابستگی نہ ہو، خدمت میں عالم گیریت مدِ نظر ہو، احترامِ انسانیت ہو۔ بڑے عمدہ انداز میں انھوں نے اپنی بات مکمل کی۔

چائے کا وقفہ ہوا تو کئی شرکا کی طرف سے یہ بات سامنے آنا شروع ہو گئی کہ مسلمان ہو اور غیر جانب دار ہو، یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ مسلمان ہونے کا تو مطلب ہی یہ ہے کہ وہ خدا کا طرف دار ہو گا اور اس کی طرف جھکاؤ رکھنے والا ہو گا۔ خدا کے منکر کی طرف اور رسول ﷺ کے گستاخ کی طرف اس کا جھکاؤ کیسے ہو سکتا ہے؟ سوال اٹھا تو جوابات آنا بھی شروع ہوئے۔ ایک جواب آیا: وہ اپنے عقیدے میں تو خدا کا پیروکار ہو گا، مگر مصیبت کی اس گھڑی میں غیر جانبدار ہو کر مسلم اور غیر مسلم کی تمیز کیے بغیر رفاہی خدمات سر انجام دے گا، تاکہ سسکتی انسانیت کے غموں کا کچھ تو مداوا ہو سکے۔ اس جواب کو پسند کیا گیا۔ پھر ایک اور شریک گویا ہوئے: تکریمِ انسانیت ضرور ہو، لیکن توہینِ خدا کی قیمت پر نہیں۔ جواب چونکا دینے والا تھا۔ سب متوجہ ہو گئے۔ وہ دوبارہ گویا ہوا: دُکھی انسانیت کی خدمت میں ایک کام کی تو اجازت ہے، مگر دوسرے کی نہیں۔ کیا مطلب ہوا: ایک کی تو اجازت ہے، مگر دوسرے کی نہیں۔ مطلب یہ کہ ایک چیز "مُواسات" (ہمدردی اور غم خواری) ہے، اس کی تو اجازت ہے، مگر دوسری چیز مُداہَنَت کی اجازت نہیں۔ مُداہَنَت یہ ہے کہ انسانیت کے حقوق ادا کرتے کرتے آدمی اپنے محسنِ حقیقی خدا کے حقوق پامال کر بیٹھے۔ اس کی اسلام میں نہ اجازت ہے اور نہ گنجائش ہے۔ جواب کافی حد تک واضح ہو چکا تھا۔

سامعینِ گرامی! ہمیں بھی ان دو لفظوں کا فرق ہمیشہ یاد رکھنا چاہیے، اس لیے کہ ایک طرف تو تکریم اور احترامِ انسانیت ہے، اس کا دائرہ کار مُواسات، ہمدردی، غم خواری ہے۔ کیسے ہی ہنگامی حالات ہوں، ایک رفاہی ادارہ رنگ و نسل اور مذہب کی تمیز کیے بغیر انسانیت کی بے لوث خدمت کرتا ہے، کوئی جانب داری نہیں ہوتی، بلکہ اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ کی روشنی میں نہ صرف یہ کہ انصاف کرتا ہے، جو اپنے مسلمان بھائی کے لیے پسند کرتا ہے، وہی غیر مسلموں کے لیے بھی پسند کرتا ہے، بلکہ اس سے آگے بڑھ کر احسان اور ایثار کا معاملہ بھی ہوتا ہے، لیکن اگر کوئی بھی ادارہ انسانیت کی خدمت کا لیبل لگا کر اتنا آگے بڑھ جاتا ہے کہ وہ خدا کے حقوق پامال کر بیٹھتا ہے یا اسلام کو پسِ پشت ڈال دیتا ہے یا غیر مسلموں کے حقوق کی آڑ میں سیکولرزم یا الحاد کو فروغ دیتا ہے تو یہ اسلام کی ذکر کردہ حدود سے تجاوز ہو گا، یہ مُداہَنَت ہو گی، جس کی اسلام میں کوئی گنجائش نہیں ہے۔ تو سامعینِ گرامی! دُنیا میں طرح طرح کی آفات آتی رہتی ہیں، انسانیت بے بسی کی تصویر بنی ہوتی ہے، ایسے میں بہت سے رفاہی ادارے خدمت کے لیے میدان میں اُترتے ہیں، ہمیں اگر اوپر ذکر کردہ اصول ذہن نشین رہا تو ہمیں زیادہ دیر نہیں لگے گی، مشکل کی اس گھڑی میں اس رفاہی ادارے کا مُعاون بننے میں جو مُداہنت سے بچتے ہوئے، اسلامی تعلیمات کو پامال کیے بغیر "تکریمِ انسانیت کے اصولوں" کو مدِّ نظر رکھتے ہوئے انسانیت کی بے لوث خدمت میں مصروفِ عمل ہوتا ہے۔

والسلام

اخوکم فی اللہ

محمد خرم شہزاد

فہمِ قرآن

شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم

المائدة 34-40

إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا مِن قَبْلِ أَن تَقْدِرُوا عَلَيْهِمْ ۖ فَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ 34

ترجمہ: ہاں وہ لوگ اس سے مستثنیٰ ہیں، جو تمہارے اُن کو قابو میں لانے سے پہلے ہی توبہ کرلیں۔ ایسی صورت میں یہ جان رکھو کہ اللہ بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہے۔ 34

تشریح نمبر 1: مطلب یہ ہے کہ اگر وہ گرفتار ہونے سے پہلے ہی توبہ کرلیں اور اپنے آپ کو حکّام کے حوالے کردیں تو ان کی مذکورہ سزائیں معاف ہوجائیں گی، البتہ چوں کہ بندوں کے حقوق صرف توبہ سے معاف نہیں ہوتے، اس لیے اگر انھوں نے مال لُوٹا ہے تو وہ مالک کو لَوٹانا ہوگا اور اگر کسی کو قتل کیا ہے تو اس کے وارثوں کو حق ملے گا کہ وہ ان کو قصاص کے طور پر قتل کرنے کا مطالبہ کریں۔ ہاں! اگر وہ بھی معاف کردیں یا قصاص کے بدلے خون بہا لینے پر راضی ہوجائیں تو ان کی جان بخشی ہوسکتی ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ
وَجَاهِدُوا فِي سَبِيلِهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ 35

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور اس تک پہنچنے کے لیے وسیلہ تلاش کرو اور اس کے راستے میں جہاد کرو، اُمید ہے کہ تمہیں فلاح حاصل ہوگی۔ 35

تشریح نمبر 2: "وسیلہ" سے یہاں مراد ہر وہ نیک عمل ہے، جو اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کا ذریعہ بن سکے اور مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کے لیے نیک اعمال کو وسیلہ بناؤ۔

تشریح نمبر 3: "جہاد" کے لفظی معنی کوشش اور محنت کرنے کے ہیں۔ قرآنی اصطلاح میں اس کے معنی عام طور سے اللہ تعالیٰ کی رضاجوئی کے لیے دشمنوں سے لڑنے کے آتے ہیں، لیکن بعض مرتبہ دِین پر عمل کرنے کے لیے ہر قسم کی کوشش کو بھی "جہاد" کہا جاتا ہے۔ یہاں دونوں معنی مراد ہوسکتے ہیں۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْ أَنَّ لَهُم مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا وَمِثْلَهُ مَعَهُ لِيَفْتَدُوا بِهِ مِنْ عَذَابِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ مَا تُقُبِّلَ مِنْهُمْ ۖ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ 36

ترجمہ: یقین رکھو کہ جن لوگوں نے کفر اپنالیا ہے، اگر زمین میں جتنی چیزیں ہیں وہ ان کے پاس ہوں اور اتنی ہی اور بھی ہوں، تاکہ وہ قیامت کے دن کے عذاب سے بچنے کے لیے وہ سب فدیہ میں پیش کردیں، تب بھی ان کی یہ پیش کش قبول نہیں کی جائے گی اور اُن کو دردناک عذاب ہوگا۔ 36

يُرِيدُونَ أَن يَخْرُجُوا مِنَ النَّارِ وَمَا هُم
بِخَارِجِينَ مِنْهَا ۖ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيمٌ 37

ترجمہ: وہ چاہیں گے کہ آگ سے نکل جائیں، حالاں کہ وہ اس سے نکلنے والے نہیں ہیں اور ان کو ایسا عذاب ہوگا، جو قائم رہے گا۔ 37

وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوا أَيْدِيَهُمَا جَزَاءً بِمَا كَسَبَا
نَكَالًا مِّنَ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ 38

ترجمہ: اور جو مرد چوری کرے اور جو عورت چوری کرے، دونوں کے ہاتھ کاٹ دو، تاکہ ان کو اپنے کیے کا بدلہ ملے اور اللہ کی طرف سے عبرت ناک سزا ہو اور اللہ صاحبِ اقتدار بھی ہے اور صاحبِ حکمت بھی۔ 38

تشریح نمبر 4: ڈاکے کی سزا میں بھی اوپر توبہ کا ذکر آیا ہے، مگر وہاں توبہ کا اثر یہ تھا کہ گرفتاری سے پہلے توبہ کرلینے سے حد کی سزا معاف ہوجاتی ہے، یہاں اس قسم کے الفاظ نہیں ہیں۔ لہٰذا امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی تشریح کے مطابق چوری کی سزا توبہ سے معاف نہیں ہوتی، چاہے وہ گرفتاری سے پہلے توبہ کرلے۔ یہاں صرف یہ بیان فرمایا گیا ہے کہ اس توبہ کا اثر آخرت میں جاری ہوگا، اس کے لیے بھی آیت میں دو شرطیں بیان کی گئی ہیں، ایک یہ کہ وہ دل سے شرمندہ ہوکر توبہ کرے اور دوسرے یہ کہ اپنے معاملات درست کرلے، اس میں یہ بات بھی داخل ہے کہ جن جن کا سامان چرایا تھا، وہ سامان واپس کرے، اِلّا یہ کہ وہ معاف کردیں۔

فَمَن تَابَ مِن بَعْدِ ظُلْمِهِ وَأَصْلَحَ
فَإِنَّ اللَّهَ يَتُوبُ عَلَيْهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ 39

ترجمہ: پھر جو شخص اپنی ظالمانہ کروائی سے توبہ کرلے اور معاملات درست کرلے تو اللہ اس کی توبہ قبول کرلے گا۔ بے شک اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا بڑا مہربان ہے۔ 39

أَلَمْ تَعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ لَهُ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ
يُعَذِّبُ مَن يَشَاءُ وَيَغْفِرُ لِمَن يَشَاءُ
وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ 40

ترجمہ: کیا تم نہیں جانتے کہ آسمانوں اور زمین کی حکمرانی صرف اللہ کے پاس ہے؟ وہ جس کو چاہے عذاب دے اور جس کو چاہے بخش دے اور اللہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے۔ 40

فہمِ حدیث

مولانا محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ

حج بیت اللہ

اسلام کے پانچ ارکان میں سے آخری اور تکمیلی رکن "حج بیت اللہ" ہے۔ حج کیا ہے؟۔۔۔ایک معیّن اور مقرّر وقت پر اللہ کے دیوانوں کی طرح اس کے دربار میں حاضر ہونا اور اس کے خلیل حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اداؤں اور طور طریقوں کی نقل کر کے ان کے سلسلے اور مسلک سے اپنی وابستگی اور وفاداری کا ثبوت دینا اور اپنی استعداد کے بقدر ابراہیمی جذبات اور کیفیات سے حصہ لینا اور اپنے کو ان کے رنگ میں رنگنا۔

مزید وضاحت کے لیے کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ایک شان یہ ہے کہ وہ ذوالجلال والجبروت، احکم الحاکمین اور شہنشاہِ کل ہے اور ہم اس کے عاجز و محتاج بندے اور مملوک و محکوم ہیں اور دوسری شان اس کی یہ ہے کہ ان تمام صفاتِ جمال سے بدرجہ اتم متّصف ہے، جس کی وجہ سے انسان کو کسی سے محبت ہوتی ہے اور اس لحاظ سے وہ۔۔۔بلکہ صرف وہی۔۔۔محبوبِ حقیقی ہے۔ اس کی پہلی حاکمانہ اور شاہانہ شان کا تقاضا یہ ہے کہ بندے اس کے حضور میں ادب و نیاز کی تصویر بن کر حاضر ہوں۔۔۔اور اس کی دوسری شانِ محبوبیت کا تقاضا یہ ہے کہ بندوں کا تعلّق اس کے ساتھ محبت اور والہیت کا ہو۔

حج اس کا پورا پورا مرقّع ہے۔ سلے ہوئے کپڑوں کے بجائے ایک کفن نما لباس پہن لینا، ننگے سر رہنا، حجامت نہ بنوانا، ناخن نہ ترشوانا، بالوں میں کنگھا نہ کرنا، تیل نہ لگانا، خوشبو کا استعمال نہ کرنا، میل کچیل سے جسم کی صفائی نہ کرنا، چیخ چیخ کے لبیک لبیک پکارنا، بیت اللہ کے گرد چکر لگانا، اس کے ایک گوشے میں لگے ہوئے سیاہ پتھر (حجرِ اسود) کو چومنا اور اس کے در و دیوار سے لپٹنا اور آہ و زاری کرنا، پھر صفا و مروہ کے پھیرے کرنا، پھر مکہ شہر سے بھی نکل جانا اور منیٰ اور کبھی عرفات اور کبھی مزدلفہ کے صحراؤں میں جا پڑنا، پھر جمرات پہ بار بار کنکریاں مارنا، یہ سارے اعمال وہی ہیں جو محبت کے دیوانوں سے سرزد ہوا کرتے ہیں اور ابراہیم علیہ السلام گویا اس رسمِ عاشقی کے بانی ہیں۔۔۔اللہ تعالیٰ کو ان کی یہ ادائیں اتنی پسند آئیں کہ اپنے دربار کی خاص الخاص حاضری حج و عمرہ کے ارکان و مناسک ان کو قرار دے دیا۔ انہی سب کے مجموعے کا نام گویا "حج" ہے اور یہ اسلام کا آخری اور تکمیلی رکن ہے۔

حج کی فرضیت اور اہمیت

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ اَلْعُمْرَةُ اِلَی الْعُمْرَةِ كَفَّارَةٌ لِمَا بَیْنَهُمَا وَالْحَجُّ الْمَبْرُوْرُ لَیْسَ لَهٗ جَزَاءٌ اِلَّا الْجَنَّةَ

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ایک عمرہ سے دوسرے عمرہ تک کفارہ ہو جاتا ہے، اس کے درمیان کے گناہوں کا اور "حج مبرور" (پاک اور مخلصانہ حج) کا بدلہ تو بس جنت ہے۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ اَنَّهٗ قَالَ اَلْحَاجُّ وَالْعُمَّارُ وَفْدُ اللهِ اِنْ دَعَوْهُ اَجَابَهُمْ وَاِنِ اسْتَغْفَرُوْهُ غَفَرَ لَهُمْ (رواہ ابن ماجة)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: حج اور عمرہ کرنے والے اللہ تعالیٰ کے مہمان ہیں، اگر وہ اللہ سے دعا کریں تو وہ ان کی دعا قبول فرمائے اور اگر وہ اس سے مغفرت مانگیں تو وہ ان کی مغفرت فرمائے۔ (سنن ابن ماجہ)

عیدالاضحیٰ کی قربانی

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ اَقَامَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ بِالْمَدِیْنَةِ عَشْرَ سِنِیْنَ یُضَحِّیْ (رواہ الترمذی)

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے (ہجرت کے بعد) مدینہ طیبہ میں دس سال قیام فرمایا اور آپ ﷺ برابر (ہر سال) قربانی کرتے تھے۔ (جامع ترمذی)

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ مَا عَمِلَ ابْنُ اٰدَمَ مِنْ عَمَلٍ یَوْمَ النَّحْرِ اَحَبَّ اِلَی اللهِ مِنْ اِهْرَاقِ الدَّمِ وَاِنَّهٗ لَیَاْتِیْ یَوْمَ الْقِیَامَةِ بِقُرُوْنِهَا وَ اَشْعَارِهَا وَ اَظْلَافِهَا وَ اِنَّ الدَّمَ لَیَقَعُ مِنَ اللهِ بِمَكَانٍ قَبْلَ اَنْ یَّقَعَ بِالْاَرْضِ فَطِیْبُوْا بِهَا نَفْسًا (رواہ الترمذی وابن ماجة)

ترجمہ: حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ذی الحجہ کی دسویں تاریخ یعنی عیدالاضحیٰ کے دن فرزندِ آدم کا کوئی عمل اللہ کو قربانی سے زیادہ محبوب نہیں اور قربانی کا جانور قیامت کے دن اپنے سینگوں اور بالوں اور کھروں کے ساتھ (زندہ ہو کر) آئے گا اور قربانی کا خون زمین پر گرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کی رضا اور مقبولیت کے مقام پر پہنچ جاتا ہے، پس اے خدا کے بندو! دل کی پوری خوشی سے قربانی کیا کرو۔

Fruiti-O®
NECTARS & FRUIT DRINKS
Real Taste of Nature
Fruiti-O
Guava Nectar
Fruiti-O
Mango Nectar
Contains
chaunsa
Mango Pulp
Fruiti-O
Pomegranate Nectar
Shake Before Serving - Keep Refrigerated Once Opened
fruitioPakistan
fruitioPakistan
www.fruitio.com.pk

حضرت مولانا عبدالستار حفظہ اللہ

اہلیت اور دیانت

قرآنِ مجید میں اللہ کے پیاروں کے واقعات بھی ہیں اور ان واقعات میں قیامت تک آنے والی انسانیت کے لیے سبق بھی ہے، اصول بھی ہے، زندگی کی رہنمائی بھی ہے، ایک نووارد مدین داخل ہوتا ہے

وَلَمَّا وَرَدَ مَآءَ مَدْيَنَ وَجَدَ عَلَيْهِ أُمَّةً مِّنَ النَّاسِ يَسْقُوْنَ وَوَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمُ امْرَاَتَيْنِ تَذُوْدٰنِ

وہاں دو بچیاں ہیں جو کنارے پر کھڑی ہیں، بکریاں ان کے پاس ہیں، لوگ کنویں کے پاس کھڑے اپنے جانوروں کو پانی پلا رہے ہیں اور یہ بچیاں ایک کونے میں کھڑی ہوئی ہیں، اپنی بکریاں ساتھ رکھی ہوئی ہیں۔

قَالَ مَا خَطْبُكُمَا قَالَتَا لَا نَسْقِي حَتّٰى يُصْدِرَ الرِّعَآءُ

نووارد نوجوان نے پوچھا خیریت ہے، تم یہاں کیوں کھڑی ہو؟ تو وہ کہنے لگیں کہ لوگ اپنے جانوروں کو پانی پلا رہے ہیں اور ہم انتظار میں ہیں کہ یہ فارغ ہو جائیں تو پھر ہم اپنے جانوروں کو پانی پلائیں۔ وَاَبُوْنَا شَيْخٌ كَبِيْرٌ

ہمارے والد بوڑھے ہیں، اس مجبوری کی وجہ سے گھر سے باہر نکلی ہیں، بکریوں کو پانی پلانا تھا، لیکن مرد موجود ہیں، مرد فارغ ہو جائیں، پھر کنواں خالی ہوگا، تب ہم پانی پلائیں گے۔ قریب میں ایک اور کنواں تھا، جس پر چٹان بہت بھاری تھی، اس چٹان کو اس نوجوان نے ہٹایا، ان بکریوں کو پانی پلایا، آج یہ بچیاں گھر میں جلدی پہنچیں۔ ابا نے پوچھا آج جلدی آگئی ہو، بتاؤ یا ایسا ایک نوجوان تھا اور اس انداز سے اس نے ہماری خدمت کی تو فرمایا جاؤ اُسے بلا کر لاؤ، وہ آئیں اور آئیں بھی کیسے؟ قرآن نے اس کی تصویر دکھائی، فرمایا:

تَمْشِيْ عَلَى اسْتِحْيَآءٍ

ایسے آئیں، جیسے حیا کی سواری پر سوار ہو کر آئیں۔

سبحان اللہ یعنی سراپا حیا، نظریں جھکائے ہوئے، پورا جسم شرم و حیا کی خوب صورتی سے لپٹا ہوا، کہنے لگیں: ہمارے ابا آپ کو بلا رہے ہیں اور ہمارے ابا آپ کو انعام دینا چاہتے ہیں جو آپ نے ہماری خدمت کی، یہ نوجوان ساتھ چل دیے، گھر پہنچے، اپنے مدین میں آنے کی وجہ بتائی تو بچیاں کہنے لگیں ابا سے

قَالَتْ اِحْدٰىهُمَا يٰٓاَبَتِ اسْتَاْجِرْهُ اِنَّ خَيْرَ مَنِ اسْتَاْجَرْتَ الْقَوِيُّ الْاَمِيْنُ

ابا جان اگر آپ نے کسی کو اُجرت پر رکھنا ہے تو اسے رکھ لیں۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ حضرت شعیب کی بیٹیاں تھیں اور نووارد حضرت موسیٰ تھے، انھیں ابھی تک نبوت نہیں ملی تھی۔ فرمایا: اللہ نے ان بچیوں کو خوب بصیرت عطا فرمائی تھی، سمجھ عطا فرمائی تھی، تھوڑے سے وقت کے اندر شان دار فیصلہ اور مشورہ ابا کے سامنے رکھا اور بتایا کہ ان کے اندر دو خوبیاں ہیں اور حقیقت یہ ہے پورے معاشرے کی زندگی ان دو خوبیوں پر کھڑی ہے اور اگر یہ نہ ہوں تو سارا معاشرہ فساد زدہ ہو جاتا ہے۔ آپ نے اپنے ہاں کس کو ملازم رکھنا ہے؟ کوئی ذمے داری کس کے سپرد کرنی ہے؟ کس کی نگرانی میں کوئی کام دینا چاہتے ہیں تو کیسا آدمی تلاش کریں گے؟ پھر یہ کام گھر کا بھی ہو سکتا ہے، کسی ادارے کا بھی اور ملکی سطح کا بھی۔۔۔

حضرت شعیب کی بیٹی نے کہا: ابا جان اس میں دو خوبیاں ہیں، ایک تو اس کے اندر اہلیت موجود ہے، دوسرا یہ امانت دار بھی ہے۔ اگر کام نااہل آدمی کے حوالے کیا جائے تو وہ اس کا کیا حال کرے گا، اس لیے اہل ہونا ضروری ہے، لیکن صرف اہلیت بھی کافی نہیں، اہلیت کے ساتھ ساتھ دیانت بھی ضروری ہے۔ حضرت شعیب علیہ السلام کی بیٹی کا یہی کہنا تھا کہ نووارد مہمان میں اہلیت بھی ہے اور دیانت بھی ہے، تربیت بھی ہے، انسان بھی اچھا ہے، خوف خدا بھی ہے، اللہ سے بھی ڈرتا ہے، دیانت بھی ہے، امانت دار بھی ہے، نظریں اٹھا کر اس نے نہیں دیکھا۔

اہلیت ہو دیانت نہ ہو، بہت ہوشیار ڈاکو بن جائے گا کہ اپنی اہلیت سے سب کو لوٹ کر لے جائے گا، نشان بھی نہیں چھوڑے گا، اہلیت نہ ہو دیانت دار ہو، تب بھی تباہ کر دے گا، گاڑی آپ نے دیانت دار شخص کو دے دی، جسے ڈرائیونگ نہیں آتی تو وہ اپنے ساتھ دوسروں کی زندگی کو بھی خطرے میں ڈالے گا۔ معلوم ہوا کوئی بھی ذمے داری نبھانے کے لیے اہلیت اور دیانت دونوں ضروری ہیں، یہی قوم کی بڑی ضرورت ہے۔

تعلیمی اداروں کا نصاب، منشور، مقصد اور طریقِ تعلیم یہی ہونا چاہیے کہ ایسے افراد تیار کریں جو اہل بھی ہوں اور دیانت دار بھی۔ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا اللہ کا حکم ہے کہ تم امانتیں اور ذمہ داریاں اہل لوگوں کے سپرد کرو۔

ایک واقعہ ہے، پتا نہیں اس میں سچائی کتنی ہے، لیکن سبق آموز بھی ہے اور ایسا ہونا بعید بھی نہیں۔ ایک شخص تھا، اس کے بارے میں ادارے میں یہ بات چلی کہ یہ ہے تو ادارے کا فرد، لیکن

ہے غیروں کا ایجنٹ، اس کے پیچھے لوگ لگا دیے گئے کہ دیکھو یہ آدمی غیروں کا ایجنٹ ہے اور غیروں کے لیے کام کر رہا ہے، بہت تحقیق کی گئی، تفتیش کی گئی، لیکن کوئی ایسی بات نظر نہیں آئی، پھر ایک وقت آیا کہ وہ بھی ریٹائر ہو گیا اور اس کی نگرانی کرنے والا ادارے کا مخبر بھی ریٹائر ہو گیا۔ دونوں ایک دن چائے پر بیٹھے تو مُخبر نے اس سے پوچھا: تمہیں پتا ہے کہ ہم تمہارے بارے میں تحقیق کر رہے تھے۔ کہا: مجھے پتا ہے۔ کہا: اب یہ بتاؤ کہ اب تم بھی ریٹائر ہو گئے، میں بھی ریٹائر ہو گیا ہوں، کیا واقعی تم غیروں کے لیے کام کر رہے تھے؟ اس نے کہا: ہاں کر رہا تھا۔ کہا: کیا کام کر رہے تھے۔ اس نے کہا: کام یہ کر رہا تھا، جتنے اہل لوگ ہوتے، انھیں سائیڈ پر کر دیتا، نااہل لوگوں کو اوپر بھیج دیتا۔ اہل لوگوں کے لیے رکاوٹ بن جاتا اور جو نااہل لوگ ہوتے تو انھیں اوپر بھیج دیتا۔ کسی قوم کی بربادی کے لیے یہی کافی ہے کہ خائن بھیج دو، لٹیرے بھیج دو یا نااہل بھیج دو اور جو امانت دار اور اہل ہیں، انھیں ہٹا دو۔

وطنِ عزیز میں کس چیز کی کمی ہے؟ کیا کچھ اللہ نے اس ملک کو نہیں دیا، لیکن ستّر سال میں بدقسمتی سے کسی کی توجہ یہ نہیں رہی کہ اس قوم میں دیانت اور اہلیت پیدا کر دیں، اس کام کو تو ہم نے کام سمجھا ہی نہیں، اپنے تعلیمی ادارے ہی دیکھ لیے جائیں، وہاں اہلیت کتنی ہے اور دیانت کتنی؟ سچائی کتنی ہے اور حیا کتنی؟ ایمان کتنا ہے اور غیرت کتنی؟ پتا چل جائے گا کہ اس قوم کا کل کیا ہے۔ ساٹھ فیصد، ستّر فیصد لڑکے نشہ کر رہے ہیں، آوارہ ہیں، عفّت اور پاک دامنی کا جنازہ نکل رہا ہے، شرم و حیا ختم ہو گئی اور پھر اُمید رکھیں کہ یہ قوم اپنے پاؤں پر کھڑی ہو گی؟ جس چیز سے اہلیت پیدا ہوتی تھی، دیانت پیدا ہوتی تھی، ہم نے تو اس کا راستہ ہی بند کر دیا کہ ان تعلیمی اداروں میں کہیں ایمان آنے نہ پائے، کہیں دین آنے نہ پائے، کہیں حیا نہ آنے پائے، کہیں غیرت آ ہی نہ جائے، کہیں اللہ کا نام آ ہی نہ جائے، ہم نے تو اس دیانت کا راستہ ہی روک دیا ہے۔

دیانت ایمان سے پیدا ہوتی ہے، دین سے پیدا ہوتی ہے، خوفِ خدا سے پیدا ہوتی ہے، بارگاہِ خداوندی میں حاضری کے ڈر سے دیانت پیدا ہوتی ہے، باقی قانون کی رسائی تو ایک حد تک ہے، لیکن اصل دیانت اللہ کے سامنے جواب دہی سے ہی آئے گی۔ بتائیے! آج ہر ایک کا رونا کیا ہے؟ لوگ کہتے ہیں ملازمتیں نہیں ہیں، لیکن سچی بات کیا ہے، جن کو افراد کی ضرورت ہے، وہ کہتے ہیں: اہلیت نہیں ہے، اہلیت ہے تو دیانت نہیں، اگر یہ دو جوہر آج کسی کے پاس موجود ہوں تو مارکیٹ میں اس کے لیے جگہ بہت ہوتی ہے۔

اہلیت ہو، دیانت ہو، اُس چیز کی صلاحیت ہو، اللہ کا ڈر ہو، خوفِ خدا ہو، یہ سارا حُسن تو ہمارے دین کا حصہ تھا کہ مسلمان تو ہوتا ہی دین دار تھا، دیانت دار ہوا کرتا تھا، اللہ کے نبی ﷺ فرمایا کرتے تھے:

منافق کی تین نشانیاں ہیں:

إِذَا حَدَّثَ كَذَبَ، وَإِذَا وَعَدَ أَخْلَفَ، وَإِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ

منافق ایسا ہوتا ہے، بات کرے جھوٹ بولے، وعدہ کرے خلاف ورزی کرے، امانت رکھوائی جائے امانت دی جائے خیانت کرے۔

اور یہ روایت جس میں رسول اللہ ﷺ نے اس سے آگے بات فرمائی، اس کے کردار میں، اس کی سیرت میں، اس کے کریکٹر میں، منافقین کی نفاق کی علامتیں ہیں، اگرچہ نماز پڑھے، اگرچہ روزہ رکھے اور اپنے آپ کو مسلمان سمجھے، لیکن یہ اپنے کردار کے لحاظ سے اپنے اندر نفاق رکھتا ہے، اس کے اندر منافقت کی علامتیں ہیں، جھوٹ بولتا ہے، خلاف ورزی کرتا ہے، خیانت کرتا ہے، ذمہ داریاں سپرد کی جائیں، ذمہ داریوں پر کسی کو لے کر آ رہا ہے، خیانت کر رہا ہے، نااہلوں کو دے رہا ہے، خائن لوگوں کو دے رہا ہے، منافقت ہے یہ تو منافقت ہے!!

تو یہ تو ہمارے دین کا حصہ تھا، دیانت دار، امانت دار، سچائی، وعدہ کیا، عہد کیا پورا کیا ہمارا دین ہے۔ رسول اللہ ﷺ فرمانے لگے: جیسے آدمی پر قرض ہوتا ہے اور اس کو فکر ہوتی ہے، قرض کو ادا کرنا ہے، کسی سے کوئی بات کی اور اس کو پورا کرنا، مسلمان تو اس کو اپنے اوپر قرض سمجھتا ہے، اس کو اپنی ذمہ داری سمجھتا ہے، اہلیت ہو، دیانت داری ہو۔۔۔ تو ہم آج ان چیزوں سے پیچھے ہو گئے نا، کبھی اپنی قوم میں افراد تیار کرنے پر توجہ ہی نہیں کی اور آج زندگی کے تمام شعبوں میں آپ نظر اٹھا کر دیکھیں تو اس ملک میں کس چیز کی کمی ہے؟ تو آپ کو یہی نظر آئے گا کہ دیانت نہیں ہے اور اہلیت نہیں ہے۔ زمین خزانوں سے بھری پڑی ہے، اس ملک کے تو پہاڑوں میں خزانے بھرے پڑے ہیں، اس کے تو سمندر میں خزانے بھرے پڑے ہیں، اس ملک کو تو ایسے موسم دے رکھے ہیں، ایسی زرخیز زمین دے رکھی ہے، دیانت دار لوگ نہیں ہیں اور نہ ہی کبھی ہم نے قومی سطح پر توجہ کی!!!

کہیں سے آواز آئی کہ تعلیمی ادارے بناتے کیوں ہیں؟ یہ دانش گاہیں کیوں بنی ہوئی ہیں؟ کیا صرف معلومات دینے کا نام انسان بنانا ہے، خوفِ خدا، دیانت دار، اللہ کا ڈر۔۔۔ انسانیت، معاشرہ تو اس سے کھڑا ہوتا ہے ادارے تو اس پر کھڑے ہوں گے، شعبے تو اس سے زندہ ہوں گے۔

وہ بچی ایک ہی منظر میں، ایک ہی نگاہ میں، پہچان گئی، ابا جان!

اِسْتَأْجَرْتَ الْقَوِيَّ الْأَمِينَ

اجرت پر رکھنا ہے، ذمہ داری کسی کے سپرد کرنی ہے تو اہلیت بھی اس کے اندر ہے، جس کام کے لیے ہم رکھنا چاہ رہے ہیں اور دیانت دار بھی ہے، گھر میں رکھ رہے ہیں نا، گھر میں اگر دیانت دار آدمی نہ ہو، اہلیت ہو تو کیا ہو گا؟ گھر میں گھر کی عزّتوں کا خطرہ، جان کا خطرہ، مال کا خطرہ اور اگر دیانت دار ہے اور اس کام کے لیے رکھ رہے ہیں، اس کی اہلیت نہیں ہے، تب بھی کام کا نہیں۔۔۔ تو معاشرے کی جان ہے، یہ دیانت دار اور اہلیت والے افراد تیار کرنے ہیں، کسی قوم کی زندگی ہے ایسے افراد کی تیاری، جن میں اہلیت بھی ہو اور دیانت داری بھی ہو، اللہ کا ڈر ہو، یہ بڑا کام تھا، سب چیزیں بنا لیں، انسان نہ بنایا اور پیارے رسول اللہ ﷺ دنیا میں آئے تو سب سے مشکل کام کیا، لوگوں کو انسان بنایا، یہ سب سے مشکل کام ہے۔ چیزیں بنانا آسان ہیں، بھائی انسان بنانا مشکل ہے۔ پیغمبر نے یہ کام کیے، انسان بنا دیے اور پیغمبر جانتے تھے، انسان بن گیا تو چیزیں خود بن جائیں گی اور اگر انسان نہ بنا تو بنی بنائی چیزیں بھی اُجڑ جائیں گی۔ اسپتال کی ہر چیز اچھی ہو اور اندر کا ڈاکٹر اچھا نہ ہو تو اُجڑ جائے گا، کارخانے کی ہر چیز اچھی ہو انسان اندر اچھا نہ ہو تو کس کام کا، اس لیے پیغمبر انسان بناتے تھے، انسان بن گیا تو چیزیں بن جائیں گی۔ وسائل اسباب معمولی ہوں گے تب بھی بڑے نفع کی چیزیں بن جائیں گی اور اگر انسان نہ بنا اور اس کا بگاڑ نہ ختم ہوا تو کوئی چیز انسان کے لیے کارآمد نہ رہے گی، جتنی چیزیں زیادہ بن جائیں گی، اتنی ہلاکت خیز ہو جائیں گی، دیانت دار جو نہیں ہیں!!

تو دیانت، سچائی یہ تو ایمانی درخت کی بہت ہری بھری شاخ ہے، اس کے بغیر تو آپ فرمایا کرتے تھے، ایمان ہی کوئی نہیں، اس کے بغیر تو فرمایا کہ یہ تو نفاق ہے، اگرچہ عقیدے کے لحاظ سے یہ مسلمان ہے، لیکن کردار کے لحاظ سے یہ مسلمان نہیں، جو خائن ہو، جس میں دیانت نہ ہو، اللہ رب العزت زندگی سچائی کی عطا فرمائے اور زندگی دیانت اور امانت کی عطا فرمائے اور اسی پر خاتمہ عطا فرمائے۔ آمین!

حرمت والا مہینہ

حفصہ محمد فیصل

اسلامی سال کے اختتام پر اللہ رب العزت نے ذوالحجہ کا ماہ مسلمانوں کو بطورِ تحفہ دے کر ایک خوب صورت احسان کیا ہے۔ یوں تو اسلام کے سارے ہی مہینے قابلِ قدر ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ نے بعض مہینوں کو خاص اہمیت سے نوازا ہے، ان میں سے ایک ذوالحجہ کا مہینہ بھی ہے۔ اس ماہ کا احترام زمانۂ جاہلیت سے چلتا آرہا ہے۔ دراصل اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس مہینے میں کچھ ایسی عبادتوں کو خاص رکھا ہے، جو ایک مسلمان کی جذباتیت اور دینی حمیت کو فروغ دیتی ہیں، جس کی وجہ سے اس ماہ کی عظمت میں مزید اضافہ ہوگیا ہے۔

ذوالحجہ اسلامی سال کا بارہواں اور آخری مہینہ ہے۔ اسی ماہ کی نو تاریخ کو مکہ مکرمہ کے مقامِ عرفات میں حج ہوتا ہے اور دس تاریخ کو حاجی اپنے ذبیحہ قربان کرکے ”یوم نحر“ مناتے ہیں۔

ذوالحجہ کے گیارہویں دن، حجاج کرام کے منیٰ میں قیام کرنے کی وجہ سے اس دن کو ”یومِ قَر“ کہتے ہیں۔

ماہِ ذی الحجہ کی اہمیت: ماہِ ذی الحجہ کو مختلف عبادات کی وجہ سے خصوصی مقام اور امتیاز حاصل ہے چوں کہ اس ماہ میں حج جیسی عظیم عبادت انجام دی جاتی ہے، اسی مناسبت سے اس کا نام ذوالحجہ ہے، یعنی حج والا مہینہ رکھا گیا ہے۔ عالمِ اسلام میں اس ماہ کو ایک خاص احترام حاصل ہے۔ ذوالحجہ کا مہینہ زمانۂ جاہلیت میں بھی محترم ومتبرّک سمجھا جاتا تھا اور دورِ جاہلیت میں اس مہینے کی عظمت کا پورا پورا کیا خیال کیا جاتا تھا۔

قرآن کریم نے جن چار مہینوں کو ”اشہرِ حرم“ قرار دیا، ان میں سے ایک ”ذوالحجہ“ بھی ہے۔ اشہرِ حرم کو حرمت والا دو معنی کے اعتبار سے کہا گیا، ایک تو اس لیے کہ ”ان میں قتل وقتال حرام ہے، دوسرے اس لیے کہ یہ مہینے متبرّک اور واجب الاحترام ہیں“ ان میں عبادات کا ثواب زیادہ ملتا ہے۔

ان میں سے پہلا حکم تو شریعتِ اسلام میں منسوخ ہوگیا، مگر دوسرا حکم احترام وادب اور ان میں عبادت گذاری کا اہتمام اسلام میں باقی ہے۔ (معارف القرآن: 372/4)

زمانۂ جاہلیت میں چوں کہ اشہرِ حرم میں جنگ وجدال اور قتل وقتال سے لوگ باز رہتے، یہاں تک کہ ان کے سامنے سے اگر باپ کا قاتل بھی گذرتا تو وہ ان مہینوں کی تعظیم میں اس کو چھوڑ دیتے، چناں چہ انہی حرمت والے مہینوں میں سے ذوالحجہ بھی ہے۔

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

سَيِّدُ الشُّهُوْرِ شَهْرُ رَمَضَانَ وَاَعْظَمُهَا حُرْمَةً ذُوْالْحِجَّةِ (فضائل الاوقات للبیہقی: 89)

ترجمہ: مہینوں کا سردار رمضان اور حرمت میں عظیم ذوالحجہ کے مہینے ہیں۔

عشرۂ ذی الحجہ کی فضیلت: ذوالحجہ کا پورا مہینہ ہی قابلِ احترام ہے، لیکن اس کے ابتدائی دس دن اور راتیں تو بہت ہی فضیلت اور عظمت والے ہیں۔ قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ نے ان کی عظمت واہمیت کو بیان فرمایا اور نبی کریم ﷺ نے امت کو عشرۂ ذی الحجہ کی قدردانی سے آگاہ فرمایا۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے:

وَالْفَجْرِ وَلَيَالٍ عَشْرٍ وَالشَّفْعِ وَالْوَتْرِ (الفجر: 1،2،3)

”قسم ہے فجر کے وقت کی اور دس راتوں کی اور جفت کی اور طاق کی“

اس میں اللہ تعالیٰ نے تین چیزوں کی قسم کھائی، پہلی قسم فجر کے وقت کی ہے، بعض مفسّرین نے اس آیت میں خاص دس ذوالحجہ کی صبح مراد لی ہے۔ دوسری قسم دس راتوں کی کھائی ہے، بیشتر مفسّرین نے ان دس راتوں سے مراد ذوالحجہ کے شروع کے دس دن لیے ہیں۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

إِنَّ الْعَشْرَ عَشْرُ الْأَضْحَى وَالْوَتْرَ يَوْمُ عَرَفَةَ وَالشَّفْعَ يَوْمُ النَّحْرِ (الدر المنثور: 399/15)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ”دس سے مراد ذوالحجہ کا پہلا عشرہ ہے اور طاق سے مراد یوم عرفہ ہے اور جفت سے مراد عید الاضحیٰ کا دن ہے۔“

ایک حدیث میں ارشاد ہے:

عَشْرُ الْاَضْحٰى هِيَ اَفْضَلُ اَيَّامِ السَّنَةِ (الدر المنثور: 399/15)

”عشرہ ذی الحجہ یہ تمام سال کے دنوں میں سب سے افضل ہے۔“

ایک حدیث میں نبی کریم ﷺ نے عشرۂ ذی الحجہ کی اہمیت کو بیان کرتے ہوئے فرمایا: ”کوئی دن ایسا نہیں ہے کہ جس میں نیک عمل اللہ تعالیٰ کے یہاں ان (ذی الحجہ کے) دس دنوں کے نیک عمل سے زیادہ محبوب اور پسندیدہ ہو۔“ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: ”اے اللہ کے رسول (ﷺ)! کیا یہ اللہ کے راستے میں جہاد کرنے سے بھی بڑھ کر ہے؟“

تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اللہ کے راستے میں جہاد کرنے سے بھی بڑھ کر ہے، مگر وہ شخص جو جان اور مال لے کر اللہ کے راستے میں نکلے، پھر ان میں سے کوئی چیز بھی واپس لے کر نہ آئے۔“ (سب اللہ کے راستے میں قربان کردے اور شہید ہوجائے، یہ ان دنوں کے نیک عمل سے بھی بڑھ کر ہے) (ترمذی: حدیث نمبر: 687)

اسی طرح کا ایک ارشاد ہے کہ ”اللہ عزّوجلّ کے نزدیک کوئی عمل زیادہ پاکیزہ اور اجر وثواب کے اعتبار سے زیادہ عظیم نہیں ہے اس نیک عمل کے مقابلہ میں، جس کو انسان ذی الحجہ کے پہلے عشرہ میں کرتا ہے۔“ عرض کیا گیا کہ اللہ کے راستے میں جہاد

کرنا بھی افضل نہیں ہے؟ نبی ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کرنا بھی (اس سے) افضل نہیں ہے، سوائے اس آدمی کے کہ جو اپنی جان ومال کے ساتھ نکلا، پھر ان میں سے کوئی چیز بھی لوٹ کر نہیں لایا۔ راوی کہتے ہیں کہ حضرت سعید بن جبیرؒ (جو اس حدیث کے راوی ہیں) جب ذی الحجہ کا پہلا عشرہ داخل ہو جاتا تھا تو انتہائی جدّ وجُہد کرتے تھے، یہاں تک کہ بعض اوقات اس کی قدرت بھی نہیں ہوتی تھی۔ (سنن دارمی: حدیث نمبر: 1727)

ایک حدیث میں فرمایا کہ دنیا کے دنوں میں سب سے افضل دن ذی الحجہ کے پہلے عشرہ کے دن ہیں۔ (کشف الاستار: حدیث نمبر: 1050)

عشرۂ ذی الحجہ اور کثرتِ ذکر: عشرۂ ذی الحجہ میں تسبیح و تہلیل اور ذکر کی کثرت کی تلقین بھی نبی کریم ﷺ نے فرمائی ہے۔

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ (الحج: 28)

"اور چند مقررہ دنوں میں اللہ کا نام لیں۔" ان مقررہ دنوں سے بعض حضرات نے ذوالحجہ کا عشرہ مراد لیا ہے۔ (روح المعانی: 145/17)

یعنی عشرہ ذی الحجہ میں کثرت سے اللّٰہ رب العزت کا ذکر کرنا بھی سنتِ انبیا ہے۔ علمائے کرام خصوصی طور پر سبحان اللہ، اللہ اکبر اور الحمدللّٰہ کے ذکر کی تلقین کرتے ہیں، بلکہ ایامِ عید یعنی نو سے تیرہ ذوالحجہ تک ہر فرض نماز کے بعد "تکبیرِ تشریق" یعنی اللهُ أكبر اللهُ أكبر، لا إله إلا اللهُ وَاللهُ أكبر، اللهُ أكبر وَلِلّٰهِ الحمد"

پانچ دن تک ہر فرض نماز کے بعد پڑھنا واجب کہا گیا ہے۔ اسی عمل سے ان ایام میں ذکر و تسبیح کی اہمیت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

حج کے ساتھ ساتھ اس ماہ میں جانوروں کی قربانی کر کے عام مسلمان سنتِ ابراہیمی کو زندہ کرتے ہیں۔ ابراہیم علیہ السلام نے ربّ کریم کی فرماں برداری میں بیٹے کے قربان کرنے کی حامی بھر لی، بلکہ فرزندِ ارجمند کو لے کر قربان گاہ پہنچ گئے، جس پر رب تعالیٰ کو ان کی یہ ادا ایسی بھائی کہ تا قیامت ان کی سنت کو امتِ محمدیہ ﷺ پر واجب کر دیا۔ اب ہر سال صاحبِ استطاعت مسلمان گائے، بیل، بکرے، دنبے وغیرہ کی قربانی کر کے اللّٰہ کی راہ میں خون بہا کر سنتِ ابراہیمی کو زندہ کرتے ہیں۔

قُلْ اِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

ترجمہ: آپ کہیے کہ بیشک میری نماز اور میری قربانی اور میری زندگی اور میری موت سب اللہ ہی کے لیے ہے جو تمام جہانوں کا رب ہے۔ (الانعام: 162)

ایک بار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: "یا رسول اللہ (ﷺ)! یہ جو قربانی ہم کرتے ہیں، اس کی حقیقت کیا ہے؟" فرمایا: "یہ تمہارے جدِّ امجد حضرت خلیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سنت ہے۔" پھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ "اس کے فوائد کیا ہیں؟" فرمایا کہ "ہر بال کے عوض ایک نیکی ہے۔" پھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: "اس میں کیا ملتا ہے؟" فرمایا کہ "ان کے ہر بال کے بدلے نیکی لکھی جاتی ہے۔" (سننِ ابنِ ماجہ)

اسی طرح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "ابنِ آدم (انسان) نے قربانی کے دن کوئی ایسا عمل نہیں کیا جو اللہ کے نزدیک خون بہانے (یعنی قربانی کرنے) سے زیادہ پسندیدہ ہو اور قیامت کے دن وہ ذبح کیا ہوا جانور اپنے سینگوں، بالوں اور کُھروں کے ساتھ آئے گا اور قربانی کا خون زمین پر گرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کے ہاں قبول ہو جاتا ہے، لہٰذا تم اس کی وجہ سے (قربانی کر کے) اپنے دلوں کو خوش کرو۔ (مشکوٰۃ المصابیح)

ان احادیث سے یہ ثابت ہوا کہ دس ذوالحجہ یعنی عید الاضحیٰ کے دن قربانی کا عمل ربّ ذوالجلال کو کتنا پسند ہے۔

اسی طرح قربانی کے جانور سے محبت کرنا، اس کا خیال رکھنا اور اس کو اچھے طریقے سے خوراک دینا اور پھر اپنے سامنے اسے ذبح کروانے کی ترغیب بھی احادیث میں تواتر سے ملتی ہیں۔

حضرت علی رضی اللّٰہ عنہ نے حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللّٰہ عنہا سے فرمایا: "اے فاطمہ! اٹھو اور اپنی قربانی کے پاس (ذبح کے وقت) موجود رہو، اس لیے کہ اس کے خون کا پہلا قطرہ گرنے کے ساتھ ہی تمہارے تمام گناہ معاف ہو جائیں گے، یہ قربانی کا جانور قیامت کے دن اپنے گوشت اور خون کے ساتھ لایا جائے گا اور تمہارے ترازو میں ستر گنا (زیادہ) کر کے رکھا جائے گا۔" حضرت ابوسعیدؓ نے عرض کیا: "اللہ کے رسول ﷺ! یہ فضیلت خاندانِ نبوت کے ساتھ خاص ہے جو کسی بھی خیر کے ساتھ مخصوص ہونے کے حق دار ہیں یا تمام مسلمانوں کے لیے ہے؟" فرمایا: "یہ فضیلت آلِ محمد ﷺ کے لیے خصوصاً اور عموماً تمام مسلمانوں کے لیے بھی ہے۔ (الترغیب والترہیب: 2/277-278)

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ دس سال مدینہ میں مقیم رہے اور ہر سال قربانی فرماتے تھے۔ (سنن ترمذی)

حضور نبی کریم ﷺ کا ہر سال قربانی کرنا قربانی کی اہمیت، فضیلت اور تاکید کے لیے کافی ہے۔

جہاں قربانی کرنے کے اتنے اجر و ثواب بتائے گئے ہیں، وہاں صاحبِ استطاعت ہوتے ہوئے قربانی نہ کرنے پر وعیدیں بھی ہیں جیسے، حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جو شخص قربانی کرنے کی گنجائش رکھتا ہو، پھر بھی قربانی نہ کرے تو وہ ہماری عید گاہ میں نہ آئے۔" (ابن ماجہ)

اللّٰہ تعالیٰ اپنے بندوں پر بے حد مہربان ہیں، جہاں بندہ تھوڑی سی فرماں برداری کا مظاہرہ کرتا ہے، ربّ تعالیٰ اس پر انعامات کی بارش فرما دیتے ہیں، جیسے مندرجہ ذیل احادیث میں ذکر ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "اے لوگو! تم قربانی کرو اور ان قربانیوں کے خون پر اجر و ثواب کی امید رکھو، اس لیے کہ (ان کا) خون اگرچہ زمین پر گرتا ہے، لیکن وہ اللہ تعالیٰ کی حفظ و امان میں چلا جاتا ہے۔" (المعجم الاوسط للطبرانی)

حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جو شخص خوش دلی کے ساتھ اجر و ثواب کی امید رکھتے ہوئے قربانی کرے گا تو وہ اس کے لیے جہنم کی آگ سے رکاوٹ بن جائے گی۔" (الترغیب والترہیب)

الغرض! ماہِ ذوالحجہ سنت و شریعت کے اعتبار سے ایک اہم ماہ ہے۔ اسے قیمتی جان کر اس کی فضیلتوں کو سمیٹ کر رب کی خوش نودی حاصل کرنے میں ہی ہر مسلمان کی فلاح مضمر ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد نقل فرماتے ہیں: ”یمن میں ایک قبیلہ ہے ”مراد“، اس کی شاخ ہے ”قرن“، اس قبیلے کا ایک آدمی ہے، جس کا نام ”اویس“ ہے، اس کو برص کی بیماری تھی، اس نے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی، چناں چہ اللہ تعالیٰ نے اس کے پورے جسم سے اس بیماری (سفیدی) کو ختم کر دیا، سوائے ایک درہم (سکے) جتنی جگہ کے برابر باقی ہے، اس کے پیچھے صرف اس کی والدہ ہی ہیں، (جن کی خدمت کی وجہ سے وہ نبی کریم ﷺ کی صحبت کا مقام نہیں پا سکے) اور (ان کا اللہ کے یہاں مقام یہ ہے کہ) اگر وہ اللہ کے نام پر قسم کھالے تو اللہ ضرور اس کی قسم کو پورا کرے۔ وہ تابعین میں سب سے افضل ہے، تم میں سے جس کی اس سے ملاقات ہو، وہ اس سے استغفار کی درخواست کرے۔“

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کے وصال کے بعد یمن سے آنے والے قبائل سے مسلسل پوچھتے تھے کہ قبیلہ مراد کی شاخ قرن کا کوئی شخص ہے۔

اس طرح دس سال تک وہ ان کا انتظار کرتے رہے، حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی ان کی تلاش میں تھے، آخر سن 21ھ میں حج کے موقع پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ابو قبیس پہاڑ کے پاس جہاں یمن کا کاروان تھا، ان سے پوچھا: کیا مراد قبیلے کے کچھ لوگ ہیں؟ کہا: جی، فرمایا: قرن کے لوگ ہیں؟ کہا: جی، فرمایا: کیا تم میں اویس نامی شخص ہے، جو اپنے پیچھے اپنی والدہ کو چھوڑ کر آیا ہے، اس کو برص کی بیماری تھی، اس نے دعا مانگی تو اللہ نے اس کی بیماری دور فرمادی، سوائے ایک درہم جتنی جگہ کے؟ انھوں نے کہا: جی، ہے تو سہی، وہ ہمارا رشتے دار ہی ہے، لیکن وہ تو غریب اور گم نام آدمی ہے، شاید آپ کسی اور آدمی سے ملنا چاہ رہے ہوں گے، کیوں کہ وہ ایسی حیثیت کا نہیں کہ آپ اس سے ملاقات کی تمنا کریں اور ہم اس کو آپ کی خدمت میں لے کر آئیں اور ویسے بھی وہ اس وقت ہمارے اونٹ چرانے عرفات کے جنگلات میں گیا ہوا ہے۔

اتنے میں اویسؒ واپس آگئے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے پوچھا: ”کیا تم اویس بن عامر ہو؟“

”جی۔“

”قبیلہ مراد کی شاخ قرن سے ہو؟“

”جی۔“

”تمھیں برص کی بیماری تھی، تم نے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی اور ایک درہم برابر جگہ کے علاوہ سب ٹھیک ہو گیا ہے؟“

”جی، ایسا ہی ہے!“

”تمہاری والدہ حیات ہے؟“

اب حضرت عمر نے ان سے استغفار کی درخواست کی، انھوں نے عرض کیا:

أَوَ يَسْتَغْفِرُ مِثْلِي لِمِثْلِكَ يَاأَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ، أَنْتَ أَحَقُّ أَنْ تَسْتَغْفِرَ لِي، أَنْتَ صَاحِبُ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

امیر المؤمنین، کیا مجھ جیسا آپ جیسے (بڑے صحابی) کے لیے استغفار کر سکتا ہے، بلکہ میں اس کا مستحق ہوں کہ آپ میرے لیے استغفار فرمادیں، آپ اللہ کے رسول ﷺ کے صحابی ہیں۔

اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اویسؒ کو آپ ﷺ کا ارشاد سنایا اور فرمایا کہ مجھے رسول اللہ ﷺ نے تم سے استغفار کروانے کا فرمایا تھا۔ یہ سن کو اویسؒ حیران بھی ہوئے اور خوش بھی ہوئے اور پھر انھوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے لیے دعائے استغفار کیا۔

اس کے کچھ عرصے بعد اویسؒ کوفہ منتقل ہو گئے۔ کوفہ روانہ ہونے سے پہلے بھی اویسؒ کی ملاقات امیر المؤمنین سے ہوئی، انھوں نے پوچھا: ”کہاں جانے کا ارادہ ہے؟“ عرض کیا: ”کوفہ“ عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”میں وہاں کے امیر کو آپ کے متعلق کچھ ہدایات لکھ دوں؟“

اویسؒ نے عرض کیا:

أَكُوْنُ فِي غَبْرَاءِ النَّاسِ أَحَبُّ إِلَيَّ

مجھے عام لوگوں میں رہنا زیادہ پسند ہے۔

جب وہ کوفہ پہنچے تو بالکل سادہ زندگی گزارتے اور لوگ ان کو جانتے بھی نہیں تھے، چناں چہ کچھ لوگ ان کا مذاق اڑاتے تھے۔

کوفہ میں عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے ایک شاگرد تھے، ”اُسَیر بن جابر“، ان کی جب اویسؒ سے ملاقات ہوئی تو انھوں نے بھانپ لیا کہ یہ اللہ والے ہیں، اگرچہ ان کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ والی حدیث کا تو علم نہیں تھا، لیکن وہ ان کے ساتھ بیٹھتے، ان سے ملتے، ان کا اعزاز و اکرام کرتے۔

اویسؒ کے عام طور پر کپڑے بالکل سادہ تھے، کبھی کوئی اچھا، عمدہ جوڑا ان کو پہنے ہوئے نہیں دیکھا گیا تھا، یہ سوچ کر اُسیر بن جابر نے ان کو ایک قیمتی چادر ہدیہ دی کہ آپ یہ چادر اوڑھ کر مسجد میں آیا کریں، مجالس میں بیٹھا کریں، (بظاہر اُس زمانے میں قیمتی لباس ہمارے زمانے کے اعتبار سے بطور ”کوٹ“ پہنا جاتا تھا)۔

اویسؒ نے اسیر سے کہا: میں یہ چادر نہیں استعمال کرنا چاہتا، کیوں کہ یہ لوگ مجھے

ندا اختر

حضرت اُم سنان، اسیہ بنت قیس رضی اللہ عنہا

حضرت اُم سنان الاسلمیہؓ نے حضورِ اقدس ﷺ کے پاس آکر ان کے ساتھ غزوے میں شرکت کی خواہش ظاہر کی اور کہا: ”یارسول اللہ (ﷺ) ! میں آپ کے ہم راہ جانا چاہتی ہوں۔ پانی پلاؤں گی بیماروں اور زخمیوں کی تیمارداری کروں گی اور سواریوں کی دیکھ بھال بھی کروں گی۔“ تو آپ نے فرمایا: ”اللہ کا نام لے کر چلو، تمہاری کچھ ساتھیوں نے بھی مجھ سے بات کی تھی، جن میں سے کچھ تمہاری قوم سے تھیں اور کچھ دوسرے قبیلوں سے تھیں۔ میں نے انھیں بھی اجازت دے دی تھی۔ اب اگر تم چاہو تو اپنی قوم کے ساتھ چل سکتی ہو اور اگر چاہو تو ہمارے ساتھ بھی چل سکتی ہو۔“

انھوں نے کہا کہ ”میں آپ کے ساتھ جانا چاہتی ہوں۔“ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ”تو پھر میری بیوی اُمِّ سلمہؓ کے ساتھ ہو جاؤ۔“ فرماتی ہیں کہ پھر میں اُن کے ساتھ ہو گئی ! !

جب رسول اللہ ﷺ فتح خیبر کے لیے روانہ ہو رہے تھے تو بنی غفار کی کچھ عورتوں کے ساتھ حضرت اُمیہ بنتِ قیس الغفاریہ رضی اللہ عنہا بھی حضورِ اقدس ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور کہا: ”یارسول اللہ (ﷺ) ! ہم آپ کے ساتھ خیبر جانا چاہتے ہیں، زخمیوں کا علاج کریں گے اور جتنا ہمارے بس میں ہو گا مسلمانوں کی مدد کریں گے؟“ تو حضورِ اقدس ﷺ نے فرمایا: ”عَلٰی بَرَکَۃِ اللّٰہِ“ فرماتی ہیں کہ ”ہم لوگ آپ ﷺ کے ساتھ روانہ ہو گئے۔ میں اس وقت نہایت کم عمر تھی۔ حضور ﷺ نے مجھے اپنے پیچھے اونٹنی کے کجاوے یا پالان پر سوار کرا دیا، پھر رات ہونے پر صبح تک کے لیے ایک جگہ پڑاؤ ڈالا اور اونٹنی کو بٹھا دیا۔ اور پھر جب اللہ تعالیٰ نے ہمیں فتح خیبر سے ہم کنار کیا تو آپ ﷺ نے مالِ غنیمت میں سے تھوڑا سا حصہ ہمیں دیا اور پھر اپنے گلے میں پڑے ہوئے ایک ہار کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولیں۔ اور یہ ہار آپ ﷺ نے اٹھایا اور مجھے دے دیا، بلکہ خود اپنے ہاتھوں سے اسے میری گردن میں ڈالا تو قسم خدا کی ! یہ مجھ سے کبھی جدا نہیں ہو گا“ اور ایسا ہی ہوا کیوں کہ جب ان کا انتقال ہوا تو یہ ہار ان کے گلے میں پڑا ہوا تھا اور ان کی وصیت تھی کہ اسے ان کے ساتھ ہی دفن کیا جائے اور جب انتقال کے بعد مجھے غسل دیا جائے تو پانی میں نمک شامل کیا جائے۔

اس چادر میں دیکھیں گے تو مزید تنگ کریں گے، لیکن اسیر نے اصرار کیا تو بالآخر انھوں نے قبول فرمالی، بعد میں وہی ہوا جس کا اویسؒ کو ڈر تھا، جو لوگ ان کا مذاق اڑاتے تھے، انھوں نے اب یوں کہنا شروع کیا: ”بھلا اس غریب کے پاس یہ قیمتی چادر کہاں سے آگئی؟“

جب اسیر کو پتا چلا تو انھوں نے ان لوگوں کو جا کر سمجھایا بھی اور سختی سے ڈانٹا بھی کہ یہ پرانے کپڑے پہنتے ہیں، تب بھی تم ان کو تنگ کرتے ہو اور نئے کپڑے پہنتے ہیں تب بھی ان کو تنگ کرتے ہو، آخر تم ان سے چاہتے کیا ہو؟

بہر حال ! یہ چلتا رہا، لیکن اویسؒ نے نہ کبھی کسی سے بدلہ لیا، نہ کسی کو بد دعا دی اور نہ ہی کسی کو اپنے بارے میں کچھ بتایا، یہاں تک کہ اویسؒ کا ایک چچازاد بھائی تھا، وہ بھی ان کو نشانۂ تنقید اور ملامت کا ہدف بناتا تھا، وہ اگر ان کو مال دار لوگوں کے ساتھ دیکھ لیتا تو کہتا کہ ان کے پاس کھانے پینے گیا ہے اور اگر غریبوں کے ساتھ دیکھ لیتا تو کہتا: ”یہ ان کو دھوکا دے رہا ہے۔“ لیکن اویسؒ اس کے بارے میں صرف خیر کے الفاظ زبان سے نکالتے اور کوشش کرتے کہ کم ہی آمنا سامنا ہو، ورنہ وہ برا بھلا کہتا۔

مدینہ منورہ میں امیر المؤمنین عمر رضی اللہ عنہ کوفہ سے آنے والے قافلوں سے اویس کے متعلق پوچھتے اور اکثر ایسا ہوتا کہ وہ شروع میں کہتے کہ ہم نہیں جانتے، لیکن جب حضرت عمر ان کو اویس کا تعارف کرواتے تو وہ پہچان لیتے، لیکن وہ اس پر بہت حیران ہوتے کہ بھلا امیر المؤمنین اس بھولے بھالے سیدھے سادے آدمی کے متعلق اتنے اہتمام سے کیوں پوچھ رہے ہیں؟ پھر حضرت عمر ان کو وہ روایت سناتے اور وہ بھی واپس جا کر اویسؒ سے استغفار کرواتے۔ اس طرح کئی لوگوں کے ساتھ ہوا اور اس طرح کے کئی واقعات پیش آئے۔

کوفہ کا ایک وفد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے اویسؒ کے بارے میں پوچھا اور ان کو آپ ﷺ کی روایت سنائی، وہ پہچان نہیں سکے، پھر ان کو اویسؒ کا حلیہ بتایا، ان میں سے ایک شخص وہ تھا جو ان کو تنگ کیا کرتا تھا، یہ سن کر وہ کہنے لگے: ”یہ تو وہی شخص ہے، جس کا ہم مذاق اڑاتے تھے، ہمارے تو وہم و گمان بھی نہیں تھا کہ یہ سیدھا سادہ آدمی اتنی اونچی شان رکھتا ہے۔“ امیر المؤمنین نے ان سے کہا: کوفہ جاتے ہی فوراً اس سے ملو، کہیں وہ کوفہ چھوڑ کر چلا نہ جائے۔

وہ شخص کوفہ پہنچتے ہی اپنے گھر جانے سے پہلے اویسؒ کی خدمت میں آ پہنچا۔ اویسؒ نے اس سے فرمایا: ”پہلے تو کبھی تم اس طرح میرے پاس نہیں آئے، سچ سچ بتاؤ کیا بات ہے؟“

اس نے کہا: ”حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے، انھوں نے آپ کے بارے میں سب کچھ بتا دیا، آپ کی مہربانی ہو گی میرے لیے بھی استغفار فرما دیجیے۔“ اویسؒ نے فرمایا: ”میں اس وقت تک نہیں کروں گا، جب تک تم مجھ سے دو باتوں کا وعدہ نہ کرو: ایک تو یہ آج کے بعد مجھے تنگ نہیں کرو گے، دوسرا یہ کہ تم نے جو کچھ امیر المؤمنین سے سنا ہے، اس کا کسی سے تذکرہ نہیں کرو گے۔“ اس نے وعدہ کیا تو اویسؒ نے اس کے لیے بھی دعائے مغفرت فرما دی۔

(جاری ہے)

Take a Different Vibe

Perfect®
FRESHENER

رہو خوشبوؤں میں

مسائل پوچھیں اور سیکھیں

مفتی محمد توحید

عشرہ ذی الحجہ اور قربانی کے احکام

سوال: اسلامی سال کے آخری مہینے ذی الحجہ کے بارے میں شریعت ہماری کیا رہنمائی کرتی ہے؟ اس کے فضائل اور اہم احکام سے تفصیلی طور پر آگاہ فرمائیں!

جواب: اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ذی الحجہ کی پہلی دس راتوں کی قسم کھائی ہے جو کہ اسلام میں ان راتوں کی اہمیت کی دلیل ہے، نیز حج کا اہم رکن وقوفِ عرفہ اسی عشرہ میں ادا کیا جاتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے خاص فضل و کرم کو حاصل کرنے کا دن ہے۔ غرض رمضان المبارک کے بعد ان ایام میں اخروی کامیابی حاصل کرنے کا بہترین موقع ہوتا ہے، لہٰذا ان میں زیادہ سے زیادہ اللہ کی عبادت، کثرت سے اس کی پاکی بیان کرنا، نفلی روزے رکھنا اور قربانی کا اور ہر قسم کے گناہوں سے بچنے کا خوب اہتمام کرنا چاہیے۔

احادیثِ مبارکہ میں ان ایام میں عبادت کرنے کے خصوصی فضائل وارد ہوئے ہیں جن میں سے چند یہ ہیں:

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: کوئی دن ایسا نہیں ہے جس میں نیک عمل اللہ تعالیٰ کے یہاں ان دس دنوں کے عمل سے زیادہ محبوب اور پسندیدہ ہو۔ (بخاری)

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے ایک اور روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے نزدیک عشرہ ذی الحجہ سے زیادہ عظمت والے دوسرے کوئی دن نہیں ہیں، لہٰذا تم ان دنوں میں تسبیح (سبحان اللہ) تہلیل (لاالہ الااللہ) اور تکبیر و تحمید کثرت سے کیا کرو (طبرانی)

ان ایام میں ہر شخص کو تکبیراتِ تشریق پڑھنے کا خاص اہتمام کرنا چاہیے، تکبیراتِ تشریق کے کلمات یہ ہیں: اللہ اکبر، اللہ اکبر، لاالہ الااللہ، واللہ اکبر، اللہ اکبر، وللہ الحمد۔

عرفہ کے دن کا روزہ

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: عرفہ کے دن کے روزے کے متعلق میں اللہ تعالیٰ سے پختہ امید رکھتا ہوں کہ وہ اس کی وجہ سے ایک سال پہلے اور ایک سال بعد کے گناہوں کو معاف فرمادیں گے (صحیح مسلم)

لہٰذا ذی الحجہ کی نو تاریخ کو (عید الاضحیٰ سے ایک دن پہلے) روزہ رکھنے کا اہتمام کرنا چاہیے۔ اس سلسلے میں یہ بات واضح رہے کہ اختلافِ مطالع کے سبب مختلف ملکوں میں عرفہ کا دن الگ الگ دنوں میں ہو تو اس میں کوئی اشکال نہیں، کیونکہ یومِ عید الفطر، یومِ عید الاضحیٰ، شبِ قدر اور یومِ عاشورہ کی طرح ہر جگہ کے اعتبار سے جو دن عرفہ کا قرار پائے گا، اُس جگہ اُسی دن میں عرفہ کے روزہ رکھنے کی فضیلت حاصل ہوگی۔

قربانی کی حقیقت:

قربانی کا عمل اگرچہ ہر امت کے لیے رہا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ولکل امۃ جعلنا منسکا لیذکروا اسم اللہ علی ما رزقھم من بہیمۃ الانعام اور ہم نے ہر امت کے لیے قربانی مقرر کی، تاکہ وہ چوپایوں کے مخصوص جانوروں پر اللہ کا نام لیں جو اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائے، لیکن حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کی اہم و عظیم قربانی کی وجہ سے قربانی کو سنتِ ابراہیمی کہا جاتا ہے اور اسی وقت سے اس کو خصوصی اہمیت حاصل ہوگئی، چنانچہ حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کی عظیم قربانی کی یاد میں اللہ تعالیٰ کے حکم پر حضور اکرم ﷺ کی اتباع میں جانوروں کی قربانی کی جاتی ہے جو قیامت تک جاری رہے گی۔ اس قربانی سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ ہم اللہ کی اطاعت اور فرماں برداری میں اپنی جان و مال و وقت غرض ہر قسم کی قربانی کے لیے تیار رہیں۔

حضور اکرم ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر سو اونٹوں کی قربانی پیش فرمائی تھی جس میں سے 63 اونٹ کی قربانی آپ ﷺ نے اپنے مبارک ہاتھوں سے کی تھی اور بقیہ 37 اونٹ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ذبح فرمائے (صحیح مسلم)

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ قربانی کے دنوں میں کوئی نیک عمل اللہ تعالیٰ کے نزدیک قربانی کا خون بہانے سے بڑھ کر محبوب اور پسندیدہ نہیں ہے۔ خود نبی کریم ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر 63 اونٹوں کی قربانی کر کے اس کا عملی اظہار فرمایا۔ آپ ﷺ کے اس عمل سے ان لوگوں کی سوچ کی تردید ہوگئی جو مغربی تہذیب سے متاثر ہو کر کہہ دیتے ہیں کہ جانوروں کی قربانی کے بجائے غریبوں اور نادار طبقے میں پیسے تقسیم کر دیئے جائیں۔ واضح رہے کہ جتنا لحاظ خود اسلام نے غریبوں کا کیا ہے اس کی مثال دنیا کے کسی اور مذہب میں نہیں ملتی، بلکہ اسلام دنیا کا واحد مذہب ہے جس نے غریبوں اور معاشرے کے کمزور افراد کے درد کا احساس سب سے پہلے دلایا ہے، اس لیے مسلمانوں کو اس طرح کے مخالفِ شریعت خوشنما نعروں اور پُر فریب باتوں سے متاثر نہیں ہونا چاہیے۔

قربانی کے سلسلے میں ایک کوتاہی یہ بھی پائی جاتی ہے کہ بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ قربانی کا ایک جانور پورے خاندان کے لیے کافی ہے، جبکہ چھوٹا جانور ایک فرد کی طرف سے اور بڑا جانور زیادہ سے زیادہ سات افراد کی طرف سے قربان کیا جاسکتا ہے، لہٰذا اگر اس سے زیادہ افراد کسی جانور میں شامل کیے گئے تو اس کی وجہ سے کسی ایک کی بھی قربانی ادا نہیں ہوگی۔

قربانی میں اللہ کی رضا کی نیت ضروری ہے۔ دیگر اعمالِ صالحہ کی طرح قربانی میں بھی مطلوب و مقصود صرف رضائے الٰہی ہونی چاہیے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَ نُسُکِیْ وَ مَحْیَایَ وَ مَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ ترجمہ: آپ ﷺ فرمادیجئے کہ میری نماز، میری قربانی، میرا جینا اور میرا مرنا سب کچھ اللہ کی رضامندی کے لیے ہے جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے، نیز دوسری جگہ فرمانِ خداوندی ہے: لَنْ یَّنَالَ اللّٰہَ لُحُوْمُھَا وَلَا دِمَآؤُھَا وَلٰکِنْ یَّنَالُہُ التَّقْوٰی مِنْکُمْ ترجمہ: اللہ تعالیٰ کو نہ اُن (قربانی کے جانوروں) کا گوشت پہنچتا ہے نہ ان کا خون، لیکن اس کے پاس تمہارا تقویٰ پہنچتا ہے۔

لہٰذا قربانی کرنے سے پہلے بار بار اپنی نیتوں کا جائزہ لینا چاہیے کہ میں یہ قربانی کس مقصد کے لیے کر رہا ہوں۔

بقیہ صفحہ نمبر 17 پر

عصمت اسامہ

محسنِ انسانیت بطورِ رہ نما و حکمران

سلام اس پر کہ جس نے بے کسوں کی دست گیری کی
سلام اس پر کہ جس نے بادشاہی میں فقیری کی

حضور، خاتم النبیین، حضرت محمد ﷺ کی حیاتِ طیبہ، رہتی دنیا تک، عالمِ انسانیت کے لیے اسوۂ حسنہ اور مینارۂ نور ہے، جس سے مشرق و مغرب میں رہنے والے انسانوں کے لیے رہنمائی موجود ہے۔ نظامِ معاشرت ہو یا نظامِ معیشت، سیاست ہو یا نظامِ قانون و عدل، نظامِ تعلیم ہو یا خارجہ پالیسی، غرض ہر شعبۂ زندگی کے لیے آپ ﷺ کی ذاتِ گرامی، سرچشمۂ رشد و ہدایت ہے۔

میں سیرت النّبی ﷺ کے ایک جس گوشے پر قلم کشائی کرنا چاہتی ہوں، وہ آپ کا 'اندازِ حکم رانی' ہے، جس طرح حضورِ اکرم ﷺ، ایک شفیق والد تھے، بہترین شوہر تھے، حکمت و دانائی کا انداز لیے معلّم تھے، اسی طرح آپ ایک بہترین رہنما اور حکم ران بھی تھے، اپنی ملّت کے لیے دردمندی کا احساس رکھنے والے مدبّر و منتظم بھی تھے۔ بقول شاعر

وہ دیکھو، نور برساتا، عرب کا تاج دار آیا
ملی راحت غلاموں کو، یتیموں کو قرار آیا!
صلی اللہ علیہ وسلم

قرآنِ پاک میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُم بِالْمُؤْمِنِينَ رَؤُوفٌ رَّحِيمٌ

ترجمہ: بے شک تمہارے پاس ایک رسول آیا ہے جو خود تم ہی میں سے ہے، تمہارا کسی نقصان میں پڑنا اس پر شاق ہے، تمہاری بھلائی کا وہ حریص ہے، ایمان لانے والوں کے لئے رؤوف و رحیم ہے۔ (التوبہ:128)

اس سے بڑھ کر اور کیا گواہی ہو گی کہ خود ربِ کائنات، آپ کی ہم دردانہ طبیعت کی گواہی دے رہا ہے!

حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ، اس لحاظ سے بھی محسنِ انسانیت تھے کہ آپ نے 'ریاستِ مدینہ' کی صورت میں وہ 'سیاسی نظام اور وہ مدبّرانہ نظامِ حکومت' انسانیت کو دیا، جس کی تاریخِ عالم میں نظیر نہیں ملتی۔ وہ نظام جو نہ صرف اسلامی معاشرے کی بقا کا ضامن ہے، بلکہ ریاست کے لیے بھی حفاظتی حصار ہے، جو تہذیب و تمدّن، اخلاقی اقدار اور خاندانی استحکام کے ساتھ انسانیت کی فلاح کی ضمانت ہے۔ اسلام ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے اور سیاست اس زندگی کا حصہ ہے۔ بقول اقبال

جدا ہو، دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی!

حضورِ اقدس ﷺ کی پہلی سیاسی تدبیر 'ہجرتِ حبشہ' کی صورت میں نظر آتی ہے، وہ سفر جو مسلمانوں کی جان و ایمان بچانے کے لیے ناگزیر تھا، تاریخی مثال بنا۔ آپ کی ایک اور سیاسی تدبیر 'بیعتِ عقبہ ثانیہ' تھی، جب مسلمانوں نے عہد کیا کہ وہ ہر حال میں حضور کی اطاعت کریں گے۔ اس موقع پر آپ نے حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو اپنا نمائندہ بنا کر یثرب یعنی مدینہ کی طرف بھیجا اور بعد میں آپ نے خود بھی اپنے جاں نثاروں کے ساتھ مدینہ کی طرف ہجرت فرمائی۔ مدینہ منوّرہ میں آپ نے ایک مثالی اسلامی فلاحی ریاست قائم فرمائی اور خود اپنی رعایا کے لیے رحیم و شفیق حکم ران ثابت ہوئے۔ انصار اور مہاجرین کو مؤاخات کے رشتے میں جوڑ کے بھائی بھائی بنا دیا۔ قوم کو متحد و منظم کیا۔ داخلی تدابیر اختیار کرنے کے بعد آپ ﷺ نے خارجہ پالیسی کی طرف توجہ فرمائی اور 'صلح حدیبیہ' کا شان دار معاہدہ کیا، جسے اللہ تعالیٰ نے 'فتح مبین' قرار دیا۔ حضورِ اکرم ﷺ اپنے قول کے پکے اور وعدے کے پابند تھے۔ آپ کے دشمن بھی آپ کی صداقت اور وعدہ وفائی کی گواہی دیتے تھے۔ اس سے مدینہ منوّرہ کے معاشرے میں امن و سکون نے قرار پکڑا اور دعوت و تبلیغ کے مواقع کھلے، حتیٰ کہ چند سال کے اندر 'فتح مکہ' کی بڑی کام یابی مل گئی اور آپ ﷺ دس ہزار صحابہ کرام کے جلو میں، اپنے آبائی وطن مکہ میں، فاتح کی حیثیت سے داخل ہوئے۔ فتحِ مکہ کے موقع پر آپ کے جانی دشمن، آپ سے خوف کھا رہے تھے، لیکن آپ نے لَا تَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ کہہ کر ان کے دل بھی جیت لیے۔ آپ نے کسی دشمن سے ذاتی انتقام نہیں لیا، سوائے ان چند گستاخوں کے، جو منصبِ رسالت کی توہین کے مرتکب تھے، انھیں سزا سنائی۔

آپ ﷺ نے لوگوں کو کبھی ذات، برادری، قبیلے یا زبان و رنگ کے امتیازات کی بنیاد پہ نہیں ابھارا، بلکہ ایک کلمۂ طیبہ، لاالٰہ الااللہ محمد رسول اللہ کی بنیاد پہ جمع کیا اور اس کلمہ کے نظام کو عملی صورت میں نافذ کر کے دکھایا۔

بطور حکم ران، میثاقِ مدینہ، آپ کے فہم و فراست کا شاہکار ہے۔ آپ نے مدینہ کے اطراف میں قبائل کے ساتھ سیاسی معاہدات کیے۔ آپ نے مختلف قبیلوں کے مابین رشتہ داری کو بھی رواج دیا، تاکہ باہم متحد ہو کے، کسی بیرونی یلغار کا مقابلہ کیا جا سکے۔ ایک بار کسی جنگ کے موقع پر کسی کی بیٹی، مسلمان فوج کی قید میں آئی، آپ ﷺ نے شانوں سے کملی مبارک اتار کر اس کے اوپر ڈال دی۔ کسی نے کہا کہ یہ تو کافر کی بیٹی ہے، آپ نے اپنے عمل سے ثابت کیا کہ تقدیسِ نسواں کی حفاظت کیسے کی جاتی ہے!

رحمت للعالمین ﷺ نے اسلام کا پیغام، دنیا کے دیگر گوشوں میں پہنچانے کے لیے دعوتی وفود بھیجے، آپ نے اس وقت کی سپر پاور قیصر و کسریٰ اور ایران کے حکم رانوں کے نام خطوط بھیجے۔ آپ کا عدل و انصاف نہ صرف مسلمانوں بلکہ غیر مسلموں کے لیے بھی مبنی بر حق تھا۔

ایک بار قریش کے کسی

معزز خاندان کی عورت نے چوری کی اور آپ کے حضور مقدمہ پیش ہوا، لوگوں نے اس عورت کی رہائی کے لیے سفارش کی تو آپ ﷺ کا چہرۂ مبارک سُرخ ہو گیا اور آپ نے فرمایا کہ پچھلی قومیں اس لیے ہلاک ہو گئیں تھیں کہ جب ان کا کوئی کم زور شخص چوری کرتا تو اسے سزا دیتیں، جب کوئی طاقت ور شخص چوری کرتا تو اسے رہا کر دیتی تھیں، خدا کی قسم! اگر محمد (ﷺ) کی بیٹی فاطمہ بھی چوری کرتی تو میں اس کا بھی ہاتھ کاٹنے کا حکم دیتا۔ (بحوالہ سلسلہ احادیثِ صحیحہ) آپ ﷺ اصولوں پر سمجھوتا نہیں کیا کرتے تھے۔

آپ کے اعلیٰ اخلاق و کردار اور عادلانہ فیصلوں کی بدولت، عالمِ انسانیت کے دکھوں کو درماں مل گیا اور لوگ جوق در جوق، حلقۂ بگوشِ اسلام ہونے لگے۔ آپ ﷺ نے مدینہ منورہ میں، پہلے مسجدِ قبا اور پھر مسجدِ نبوی ﷺ تعمیر فرمائیں۔ نظامِ صلوٰۃ قائم کیا، مساجد مسلم معاشرے کا مرکز تھیں۔ حکم ران کو امام ہونا چاہیے، یہ آپ ﷺ کا اسوہ ہے۔

قرآنِ پاک میں ارشادِ الٰہی ہے:

اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَ اَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَ نَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ وَ لِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ

ترجمہ: یہ لوگ، اگر ہم انھیں زمین میں اقتدار عطا کریں تو یہ نماز قائم کریں گے اور زکوٰۃ ادا کریں گے، نیکی کا حکم دیں گے اور برائی سے روکیں گے اور سب کاموں کا انجام کار اللہ ہی کی طرف ہے۔ (الحج: 41)

فی زمانہ، سیاست کے لفظ کو بدنام کر دیا گیا ہے، جب کہ اصطلاحی معنوں میں سیاست کا مفہوم، کسی چیز کو اصلاح کرکے درست کرنا اور استحکام بخشنا کے ہیں۔ سیاست دان کو ملک کا نظام درست کرنے والا ہونا چاہیے۔ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

بنی اسرائیل کی سیاست، انبیائے کرام فرماتے تھے، جب کوئی نبی انتقال کر جاتا تو ان کی جگہ دوسرے نبی آتے اور میرے بعد کوئی نبی نہیں ہو گا، البتہ خلفا ہوں گے (صحیح بخاری)

حضور ﷺ محسنِ انسانیت ہیں، اس لحاظ سے بھی کہ آپ نے اسلامی ریاست کی بقا اور مسلمانوں کی جان و مال کے تحفّظ کی خاطر کفار سے کئی جنگیں بھی لڑیں اور نبی مَلاحم کہلائے۔

ہو حلقۂ یاراں تو بریشم کی طرح نرم
رزمِ حق و باطل ہو تو فولاد ہے مومن!

بحیثیتِ حکم ران، بحیثیتِ سیاست دان حضورِ اکرم ﷺ محسنِ انسانیت اور رحمۃ للعالمین تھے۔

بقیہ

مسائل پوچھیں اور سیکھیں

قربانی کی اہمیت وفضیلت:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے مدینہ منورہ میں دس سال قیام فرمایا (اس قیام کے دوران) آپ ﷺ قربانی کرتے رہے (ترمذی) غرضیکہ نبی کریم ﷺ نے مدینہ منورہ کے قیام کے دوران ایک مرتبہ بھی قربانی ترک نہیں کی، باوجودیکہ آپ ﷺ کے گھر میں بوجہ خوراک کی کمی کے کئی کئی مہینے چولہا نہیں جلتا تھا۔

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضور اکرم ﷺ سے سوال کیا، یارسول اللہ! یہ قربانی کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: تمہارے باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: ہمیں قربانی سے کیا فائدہ ہو گا؟ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ہر بال کے بدلے میں ایک نیکی ملے گی۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: دنبہ اور بھیڑ کے اُون کے بدلے میں کیا ملے گا؟ (کیونکہ اس کے بال تو بہت ہی زیادہ ہوتے ہیں) حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: اُون کے ہر بال کے بدلے میں بھی نیکی ملے گی۔ (ابنِ ماجہ)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ذی الحجہ کی دس تاریخ کو کوئی نیک عمل اللہ تعالیٰ کے نزدیک قربانی کا خون بہانے سے بڑھ کر محبوب اور پسندیدہ نہیں اور قیامت کے دن قربانی کرنے والا (اور تو اور) اپنے جانور کے بالوں، سینگوں اور کھروں کو بھی لے کر آئے گا (اور یہ چیزیں اجر وثواب کا سبب بنے گی) اور قربانی کا خون زمین پر گرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کے نزدیک شرفِ قبولیت حاصل کر لیتا ہے، لہٰذا تم خوش دلی کے ساتھ قربانی کیا کرو۔ (ترمذی)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: کسی کام میں مال خرچ کیا جائے تو وہ عید الاضحیٰ کے دن قربانی میں خرچ کیے جانے والے مال سے زیادہ فضیلت نہیں رکھتا۔ (البیہقی)

قربانی کا حکم

قربانی واجب ہے یا سنتِ مؤکدہ؟ یہ اختلاف شروع سے چلا آ رہا ہے، مگر پوری امت مسلمہ کا اتفاق ہے کہ قربانی ایک اسلامی شعار ہے اور جو شخص قربانی کر سکتا ہے اس کو قربانی کرنے میں کوئی کوتاہی نہیں کرنی چاہیے خواہ اس کو واجب کہیں یا سنتِ مؤکدہ یا اسلامی شعار۔

حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے قرآن وحدیث کی روشنی میں قربانی کو واجب قرار دیا ہے۔

قربانی کس پر واجب ہے؟

قربانی ہر صاحبِ حیثیت کو کرنی چاہیے جیسا کہ حدیث میں گزرا کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: جس شخص کو قربانی کی وسعت حاصل ہو اور وہ قربانی نہ کرے تو وہ ہماری عیدگاہ کے قریب بھی نہ پھٹکے۔ حضور اکرم ﷺ کے اس فرمان سے واضح طور پر معلوم ہوا کہ قربانی کے وجوب کے لیے صاحبِ وسعت ہونا ضروری ہے اور ایسے شخص کو اس میں کوتاہی نہیں کرنی چاہیے۔

قربانی کے ایام

قربانی کے تین ایام ہیں: 10، 11 اور 12 ذی الحجہ۔ حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص قربانی کرے تو تیسرے دن کے بعد اس کے گھر میں قربانی کے گوشت میں سے کچھ نہیں بچنا چاہیے (بخاری)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قربانی کے دن تین ہی ہیں، اس لیے کہ جب چوتھے دن قربانی کا بچا ہوا گوشت رکھنے کی اجازت نہیں تو پورا جانور قربان کرنے کی اجازت کہاں سے ہو گی؟

نوٹ: تین دن کے بعد قربانی کا گوشت رکھنے کی ممانعت ابتداءِ اسلام میں تھی، بعد میں صرف اس بات کی اجازت دے دی گئی کہ اسے تین دن بعد بھی رکھا جا سکتا ہے۔ (مؤطا امام مالکؒ)

قربانی کرنے والے کے لیے مستحب عمل:

ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ذی الحجہ کا مہینہ شروع ہو جائے اور تم میں سے جو قربانی کرنے کا ارادہ کرے تو وہ اپنے بال اور ناخن نہ کاٹے (مسلم) اس طرح کی احادیث کی روشنی میں قربانی کرنے والوں کے لیے مستحب ہے کہ ذی الحجہ کا چاند نظر آنے کے بعد قربانی کرنے تک جسم کے کسی حصے کے بال اور ناخن نہ کاٹیں، للہٰذا اگر بال یا ناخن وغیرہ کاٹنے کی ضرورت ہو تو ذی القعدہ کے آخر میں فارغ ہو جائیں۔

چیری

● حکیم شمیم احمد

چیری عمدہ پھل

چیری پھل توانائی کا سرچشمہ ہے۔ وہ کم زور مریض جو ضعفِ ہضم کی وجہ سے غذا پوری طرح نہیں کھا پاتے، ایسے مریضوں کو اطبا چیری کھانے کا مشورہ دیتے ہیں۔ چیری شیریں ہو تو اس سے قبض دور ہو جاتا ہے۔ بالخصوص اگر اس کو گٹھلی سمیت بلا چبائے کھایا جائے تو بہت عمدہ ہے۔ بلغم پتلا ہو، بار بار کھانسنے سے آسانی سے خارج نہ ہوتا ہو، کھانسی کی شدّت ہو تو چیری کھانا چاہیے۔ اس سے کھانسی کی شدّت میں کمی آجاتی ہے۔

چیری کا استعمال نہایت مفید

بعض بچوں کے پیٹ میں کیڑے ہوتے ہیں اور باوجود علاج کے بار بار کیڑے ہو جاتے ہیں، جس سے بچے رات بھر بے چین رہتے ہیں اور اکثر بستر پر پیشاب کر دیتے ہیں۔ چیری کے استعمال سے نہ صرف کیڑے ختم ہو جاتے ہیں، بلکہ ان کی پیدائش کے اسباب کا بھی قلع قمع ہو جاتا ہے۔

چیری متلی کے لیے تریاق ہے

قے اور متلی میں چیری بہت فائدہ مند ہے۔ خاص طور پر تُرش اور کھٹی میٹھی چیری تو متلی کے لیے تریاق ہے۔ اس سے بلغم بھی نفج پاتا ہے اور آسانی سے خارج ہو جاتا ہے۔ اس کے علاوہ صفرا کو تسکین دینی ہو تو چیری بے مثال دوا ہے، بلکہ کہیں کہیں تو انار سے بھی زیادہ فائدہ مند ثابت ہوئی ہے۔ حمل کے دوران متلی کی شکایت میں چیری کھلانا حاملہ کے لیے بہت فائدہ مند ہے۔ اس سے نہ صرف متلی اور قے رُک جاتی ہے، بلکہ تقویت بھی حاصل ہوتی ہے۔ چیری سے بھوک کی کمی بھی دور ہو جاتی ہے۔ خاص طور پر بخاروں کے بعد اگر بھوک بند ہو گئی ہو تو چیری کے استعمال سے بھوک کھل جاتی ہے اور معدے میں حِدّت کی بھی اصلاح ہو جاتی ہے۔

شیریں چیری کرے نمایاں افاقہ

مرض خون کا سرطان (Leukemia) یا جسم میں زبردست خون کی کمی ہو جائے تو چیری کا استعمال اکسیری حکم رکھتا ہے۔ اس سے نہ صرف خون کی کمی پوری ہو جاتی ہے، بلکہ اصل مرض میں بھی نمایاں افاقہ ہو جاتا ہے، مگر اس مقصد کے لیے تُرش یا کھٹی میٹھی چیری استعمال کرنا چاہیے۔ چیری کھٹی ہو یا میٹھی پیشاب کی جلن دور کرتی ہے۔ خاص طور پر چ پیشاب کے راستوں کے زخموں کو بھرتی ہے۔

چیری سے ہوئی خون کی کمی دور

چہرے کا رنگ زرد یا مٹیالا ہو جائے یا جگر کی کم زوری سے چہرہ بے رونق ہو جائے یا خون کی کمی سے چہرہ سفید پڑ جائے تو اس حالت میں چیری کا استعمال اکسیر ہے۔ اس سے نہ صرف جگر کی اصلاح ہو کر خون کی کمی دور ہو جاتی ہے، بلکہ چہرہ شگفتہ اور شاداب ہو جاتا ہے۔

تُرش چیری مجرّب

ذیابیطس سادہ ہو یا شکری ہر دو اقسام میں تُرش چیری کا فائدہ مجرّب ہے۔ چیری گردے اور مثانہ کی ریت کو صاف کرتی ہے اور بعض شواہد کے مطابق میٹھی چیری پتھری بننے کے عمل کو روک دیتی ہے۔

نسخہ: چیری کے رس اور سرکہ انگوری کو ہم وزن ملا کر پھریری سے لگایا جائے تو نئے اور پرانے داد کا قلع قمع ہو جاتا ہے۔

چیری اکسیر الفوائد پھل

بعض گردے کم زوری یا خرابی کے باعث پیشاب کم بناتے ہیں، جس کی وجہ سے پیشاب میں خون کی آمیزش ہو جاتی ہے اور یوں بلڈ پریشر ہائی ہونے کے ساتھ اور بہت سے عوارض پیدا ہو جاتے ہیں۔ چیری کا استعمال گردوں میں پیشاب بنانے کے عمل کو تیز کر دیتا ہے اور بعض ایسے مریض جن کو پیشاب برائے نام ہوتا ہے۔ چیری کے استعمال سے انھیں پیشاب نارمل ہونے لگتا ہے اور اس طرح ہائی بلڈ پریشر اور دیگر عوارض کا بھی خاتمہ ہو جاتا ہے، چناں چہ چیری جیسے اکسیر الفوائد پھل کی ہمیں قدر کرنی چاہیے اور ہمیں اور پھلوں کے ساتھ چیری کو بھی اپنی غذا میں شامل کرنا چاہیے۔

NEW Zaiby Jewellers CLIFTON

A **trusted name** in jewellery since 1974

EMBRACE THE ELEGANCE OF GOLD

newzaibyjewellers

S-11, Yousuf Grand Square, Block 8, Clifton, Karachi

021 35835455, 35835488

حضرت ابرہیم علیہ السلام کا جذبۂ قربانی

بیگم سیدہ ناجیہ

ربِّ ذوالجلال والاکرام کے لطف و کرم کے کیا کہنے کہ اس نے سال کے بارہ مہینوں میں ہر ماہ میں رحمتوں اور برکتوں کا نزول فرمایا ہے۔ ماہِ مقدس رمضان المبارک میں روزے، شوال المکرم میں عیدالفطر، ماہِ ذی الحجہ میں حج و قربانی اور عیدالاضحیٰ جیسے روحانی تہوار عنایت فرمائے۔

ذی الحجہ میں حج و قربانی کی تیاریاں ہر سال پورے جوش و خروش اور ایمانی جذبے سے لبریز ہو کر کی جاتی ہیں۔ ایمان محض زبانی کلامی دعوے کرنے کا نام نہیں ہے، بلکہ ایمان لانے کے ساتھ ساتھ اخلاصِ نیت، یک سوئی اور عملِ صالح کا ہونا بھی اشد ضروری ہے، جبھی مسلمان صحیح معنوں میں ایک بندۂ مؤمن بن سکتا ہے۔ ایمان محض ماننے کی حد تک محدود نہیں ہونا چاہیے، بلکہ اسے بحیثیتِ بندۂ مؤمن جو بھی ہدایت ربُّ العالمین کی جانب سے ملے، اس پر عمل پیرا ہونا، جس چیز پر ایمان لائے ہیں، اسے صرف اپنے خانۂ دل و دماغ کے نہاں خانوں میں سجا کر نہیں رکھنا، بلکہ اسے اپنے دل و دماغ اور جسم و روح پر نافذ کرتے ہوئے تمام عالم میں جاری و ساری کرنے کی جُہدِ مسلسل میں ہمہ تن مصروف رہنے کی سعی کرنا ہے۔

حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی ذات مؤمنِ حقیقی کی زندہ و جاوید مثال ہے۔ ایک انسان کو اپنی زندگی میں تین چیزیں سب سے زیادہ محبوب ہوتی ہیں۔ اپنی جان (زندگی)، والدین اور اولاد۔

حضرت ابرہیم علیہ السلام نے اپنی یہ تینوں محبوب چیزیں راہِ خدا عزّوجلّ میں قربان کر دیں۔ اسی لیے اللہ ربّ العزت نے انھیں "خلیل اللہ" یعنی اپنے دوست کے اعزاز سے نوازا۔

قرانِ کریم میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ كَانَ اُمَّةً قَانِتاً لِلّٰهِ حَنِيْفاً وَلَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ

ترجمہ: "بے شک ابراہیم ایک پوری امت تھا اللہ کا فرمانبردار تمام راہوں سے ہٹا ہوا اور مشرکوں میں سے نہ تھا۔" (النحل:120)

حضرت ابراہیم علیہ السلام نہایت حلیم الفطرت شخص تھے۔ مشرکانہ ماحول میں پرورش پانے کے باوجود کبھی بھی بتوں کے قریب نہ پھٹکے، بلکہ صغرِ سنی سے ہی تلاشِ حق میں رہے اور جب انھوں نے حق کو پالیا تو ببانگِ دہل بت پرستی سے انکار اور توحید کا اقرار کرنے لگے۔

حق پرستی کی پاداش میں انھیں اپنے والد آزر کی سخت مخالفت سہنا پڑی، گھر بار چھوڑنا پڑا۔ حتیٰ کہ ان کی قوم نے بت پرستی سے انکار کے جرم میں انھیں آگ کے جلتے ہوئے الاؤ میں ڈال دیا، مگر بھڑکتی ہوئی آگ میں گرتے ہی آگ گل و گلزار ہو گئی، اللہ رب العزت نے اپنے خلیل کا بال بھی بیگانہ ہونے دیا۔

قرآنِ پاک میں ارشاد ہوتا ہے:

قُلْنَا يٰنَارُ كُوْنِيْ بَرْداً وَّسَلٰماً عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ وَاَرَادُوْا بِهٖ كَيْداً فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَخْسَرِيْنَ

ترجمہ: "ہم نے کہا اے آگ! ابراہیم پر سرد اور راحت ہو جا اور انھوں نے اس کی برائی چاہی سو ہم نے انھیں ناکام کر دیا۔" (الانبیاء:69-70)

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو وطن سے بے دخل کر دیا گیا۔ وہ اپنے والدین، عزیز و اقارب کو چھوڑ کر صرف ایک اللہ کی خاطر اس کی رضا کے لیے وہاں سے ہجرت کر گئے، گویا ایمان کی خاطر ابراہیم علیہ السلام نے اپنا تن من دھن سب کچھ قربان کر دیا، دراصل یہی تو اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ سے حقیقی محبت کا تقاضا تھا اور پھر جب بڑھاپے میں ابراہیم خلیل اللہ نے اللہ سے یہ دعا مانگی تھی۔

رَبِّ هَبْ لِيْ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ

ترجمہ: اے رب مجھے صالح (نیک) اولاد عطا کر۔ (الصّافّات:100)

یہ حضرت ابراھیم علیہ السلام کی وہ دعا ہے، جس کے نتیجے میں انھیں حضرت اسماعیل علیہ السلام جیسے صالح و سعادت مند بیٹے سے نوازا گیا۔ اب ایک اور آزمائش خلیل اللہ کی منتظر تھی۔ اللہ جلّ جلالہٗ نے سیدنا ابراہیم خلیل اللہ کو خواب کے ذریعے اشارتاً حکم دیا کہ وہ اپنی سب سے محبوب ترین شے کو اللہ کی راہ میں قربان کر دیں۔ لگاتار ایک ہی خواب دیکھنے کے بعد خلیل اللہ نے اپنے فرزندِ ارجمند حضرت اسماعیل علیہ السلام سے خواب کا تذکرہ کیا تو فرمانبردار بیٹے نے بلاچوں وچراں لبیک کہا اور حکم ربی کے آگے اپنا سر تسلیم خم کر دیا۔

یہ فیضانِ نظر تھا یا کہ مکتب کی کرامت تھی
سکھائے کس نے اسماعیل کو آدابِ فرزندی

حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی منشا اور خوش نودی حاصل کرنے کے لیے اپنے پیارے سعادت مند بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی قربانی اس ایثار و فرماں برداری سے کی کہ رب العالمین کو اپنے فرماں بردار بندے کی یہ ادا بھا گئی۔ خلیل اللہ نے اپنی آنکھوں پر پٹی باندھ کر اپنے لختِ جگر کو راہِ خدا میں قربان کرنے کے ارادے سے چُھری اٹھالی۔ انھوں نے اپنی محبوب اور اکلوتی اولاد نرینہ کو اپنے ہاتھوں سے ذبح کرنے کا قصد کیا ہی تھا کہ اللہ تعالیٰ نے عین اسی وقتِ ذبح حضرت اسماعیل علیہ السلام کی جگہ ایک جنتی دنبہ بھیج دیا، جس کی گردن پر سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے چھری پھیر دی۔ اللہ نے باپ بیٹے کی قربانی قبول کر لی۔ جنّتی دنبہ بھیج کر ابراہیم علیہ السلام کو خوش خبری سنائی کہ ان کی قربانی قبول کر لی گئی ہے اور وہ دونوں اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی طرف بھیجی گئی، اس آزمائش میں پورے اترگئے۔

رب العزت نے اپنے اولوالعزم بندے کو اس سخت آزمائش میں کامیاب فرما کر امتِ مسلمہ کے لیے اس سنتِ ابراہیمی کی اتّباع کو لازم و پسند فرمایا اور رہتی دنیا تک سنتِ ابراہیمی کی یاد میں "عیدالاضحیٰ" منانے اور حج و قربانی کرنے کا سلسلہ جاری و ساری رکھنے کا اعلان کر دیا۔

عید کی سہانی یادیں

ام محمد سلمان

بچپن کی عیدیں بھی کیا خوب ہوا کرتی تھیں، فکر نہ فاقہ۔۔ بس عیش ہی عیش! مہندی، چوڑیوں اور کپڑوں کی دوڑ۔۔۔اور بقر عید پر تو خاص طور پہ بکرے یاد نے کے آنے کی خوشی میں ہم نہال ہوئے پھرتے۔ ذوالحج کا چاند نظر آتے ہی ابا جی گھر میں قربانی کا بکرا لے آتے تھے اور ہم سب بہن بھائی خوشی سے پھولے نہیں سماتے تھے۔ بھاگ بھاگ کر اس کی خدمتیں کرتے، کبھی گھاس کھلاتے، کبھی پانی پلاتے، کبھی کان پکڑ کے دیکھتے، کبھی دم پہ ہاتھ پھیرتے۔۔۔ کبھی اس کی رسی کھلی چھوڑ دیتے اور گھر بھر میں اس کے ساتھ تماشے کرتے پھرتے اور جب ابا جی گھر پر ہوتے تو بڑی شرافت سے بکرے کے اِرد گِرد آلتی پالتی مار کر بیٹھ جاتے۔۔۔ گویا ہم سا شریف تو دنیا میں کوئی نہیں۔

پھر عید کے دن قربانی ہوتی اور ابا جان قصائی کے تعاون سے خود ہی بکرے کو قربان کرتے اور گوشت کے حصے بناتے۔ امی جلدی سے کلیجی بھون لیا کرتیں اور ہم سب مزے سے کھاتے، پھر امی جان اسٹیل کی ایک بڑی سی ٹرے میں گوشت کے حصے بنا کر رکھتیں، اوپر سے ایک سفید رنگ کا سَت رنگی کڑھائی والا خوان پوش ڈھکتیں اور ہمیں اچھی طرح سمجھاتیں کہ یہ فلاں فلاں گھر میں دے آؤ اور ہم خوشی خوشی اپنے عید کے کپڑوں کو سنبھالتے گوشت بانٹنے چلے جاتے۔

عید کے کپڑوں سے بھی کیا خوب یاد آیا۔۔۔ ایک دفعہ عید الفطر پر امی جان نے ہمیں فیروزی رنگ کا بڑا اچھا سا جوڑا بنا کر دیا۔ ہم نے ضد کی کہ ہمیں اونچی ہیل والی سینڈلیں بھی چاہییں! امی نے ہمیں سرخ رنگ کی سینڈل بھی دلا دیں۔ ہم نے ضد کی اب ہمیں سرخ رنگ کی جرابیں بھی لے کر دیں اور امی جان نے ہمیں خوب رکھ رکھ کے سنائیں۔۔۔ "پہنواؤں ابھی سرخ جرابیں۔۔؟ دلہنیں پہنتی ہیں وہ!" امی جان نے خوب کرارا سا جواب دیا اور سرخ کے بجائے ہلکے گلابی رنگ کی جرابیں لے دیں۔ اب ہمارا نقشہ کچھ یوں تھا کہ فیروزی رنگ کا جوڑا، لال رنگ کی سینڈل، ہلکے گلابی رنگ کی جرابیں، کشمشی رنگ کا دوپٹا اور ہاتھ میں نارنجی رنگ کا بٹوہ۔۔۔ واہ واہ! کیا شان تھی اس دن ہماری۔۔۔ قوسِ قزح نے بھی ایسے رنگ نہ دیکھے ہوں گے، جو ہماری شخصیت میں تھے۔

ہائے اللہ!! کتنے سیدھے سادے تھے ہم لوگ۔۔۔! چھوٹی چھوٹی باتوں پر خوش ہو جانے والے، ماں باپ جو بھی پہناتے خوشی سے پہن لیتے۔۔۔ کیوں کہ ہمارے اِرد گِرد فیشن کی دوڑ نہیں تھی۔ دکھاوا نہیں تھا، ایک دوسرے سے آگے نکل جانے کا جنون نہیں تھا۔ آج کل کے والدین کو دیکھتی ہوں جو چھوٹے چھوٹے بچوں کے لیے بھی برانڈِڈ کپڑے خرید رہے ہوتے ہیں اور وہ بھی کئی کئی جوڑے۔ گھر میں ایک مرد کمانے والا اور بیوی بچوں کی نہ ختم ہونے والی خواہشات۔۔۔ کبھی کبھی میں سوچتی ہوں، ہم نے اپنی خواہشات کو کیوں اتنا بڑھا لیا ہے؟ خواہش اور ضرورت میں فرق کرنا چھوڑ دیا ہے، حالاں کہ سادگی ایمان کی علامتوں میں سے ایک علامت ہے۔

خیر! جناب آگے چلتے ہیں۔۔۔ ہاں تو ہم بتا رہے تھے کہ اس وقت بہت مزہ آتا تھا گوشت بانٹنے میں، جس گھر میں قربانی ہوئی ہوتی وہ تو گوشت لیتے ہی نہیں تھے اور بڑی عاجزی سے کہتے کہ دیکھو بیٹا ہمارے گھر تو خود قربانی ہوئی ہے، ہم اتنا گوشت جمع کر کے کیا کریں گے؟ پھر کسی اور گھر کی طرف اشارہ کر دیتے کہ ان کے ہاں قربانی نہیں ہوئی، آپ یہ حصہ وہاں دے دیں۔

آہ۔۔۔ کیسے خوب صورت زمانے تھے وہ! حِرص وہَوس سے پاک لوگ ہوا کرتے تھے، ایک دوسرے کا خیال رکھنے والے۔ لوگ جب قربانی کا گوشت بانٹتے تھے تو خاص طور پر ان گھروں کو مدِّ نظر رکھتے، جن کے یہاں قربانی نہ ہوئی ہوتی اور آج کل تو فریج نے جتنی آسانیاں پیدا کر دی ہیں، اتنی ہی مشکلات بھی کھڑی کر دیں۔ لوگ جو پہلے "سخی" ہوا کرتے تھے، اب "بخیل" ہو گئے ہیں۔ پہلے سب کچھ خیرات کر دینا چاہتے تھے، اب بچا بچا کے فریز کر لیتے ہیں۔ اب زیادہ تر گوشت ان گھروں میں بھجوایا جاتا ہے، جن کے ہاں خود قربانی ہو رہی ہو، تاکہ وہ بھی ہمارے گھر بھجوا دیں۔ آج کے اکثر غریب اور سفید پوش لوگ بس منہ دیکھتے رہ جاتے ہیں۔

اب یہ دیکھنے میں آتا ہے کہ قربانی ہوتے ہی فریج کو بھرنے کی جلدی ہوتی ہے، وہ دل کھول کر بانٹنے کا جذبہ ہی مٹ گیا، اِلّاماشاءَاللہ۔۔۔!!

سمجھ نہیں آتا، جو امیر کبیر لوگ بڑے آرام سے ہر روز تازہ گوشت خرید کر کھا سکتے ہیں، وہ لوگ بھی آخر کیوں چھے آٹھ مہینے کے لیے قربانی کا گوشت سنبھال کر رکھ لیتے ہیں؟ بھئی رکھیں، ضرور رکھیں! ہم آپ کو منع نہیں کر رہے، لیکن اعتدال کے ساتھ! میانہ روی ہر چیز میں حُسن پیدا کر دیتی ہے۔

ہم نے اپنی آنکھوں ایسے لوگ دیکھے جنھوں نے فریزر کو اتنا بھر دیا کہ ٹھیک سے دروازہ بھی بند نہیں ہو پا رہا تھا اور دو دن بعد پیکٹ نکال نکال کر پھینک رہے تھے کہ مناسب کولنگ نہ ہونے کی وجہ سے گوشت خراب ہو گیا، یہ حِرص وہَوس آخر کیوں؟؟؟

ارے یہ ہم پھر بھٹک کے کہاں نکل گئے۔۔۔ اچھے بھلے گوشت بانٹتے بانٹتے لوگوں کے

بقیہ صفحہ نمبر 23 پر

"امی! کیا کیالائی ہیں آپ؟ بتائیں نا۔۔۔ ابو! آپ ہی بتادیں۔" یہ شزا تھی، جو دروازہ کھولنے کے بعد پیچھے سے اُچک اُچک کر دیکھنے کی کوشش میں حال سے بے حال ہو رہی تھی کہ اتنے بڑے بڑے شاپرز میں اللہ جانے کیا کیا ہے۔

"ارے بھئی۔۔۔ صبر کرو! اندر ہی جا رہے ہیں۔" صابر صاحب اپنی سب سے چھوٹی بیٹی، جو ابھی نویں جماعت میں تھی کے بے صبرے پن پر آنکھیں دِکھاتے اور دُکھتے ہاتھوں سے بولے، لیکن مجال ہے جو شزا پہ کوئی اثر ہوا ہو۔

"مجھے دے دیں ناابو۔۔۔ میں لے جاتی ہوں۔"

"کیا ہو گیا شزا۔۔۔! باپ کو سانس تو لے لینے دے۔ جا، پانی لے کر آ۔" صُغریٰ بیگم نے اُس کے اِس اُتاؤلے پن پر بکھری سانسوں کے ساتھ اُسے لتاڑا تو وہ فوراً "جی" کہتے ہوئے اندر کی طرف بھاگ گئی اور صُغریٰ بیگم "پاگل لڑکی" کہتے ہوئے پھولی سانسوں کے ساتھ لاؤنج میں پڑے صوفے پر ڈھیر سی ہو گئی۔ صابر صاحب کی الگ حالت خراب ہو رہی تھی کہ اتنے میں شزا پانی لے کر آ گئی۔ ٹھنڈا پانی پی کر حالت کچھ بہتر ہوئی تو صابر صاحب نے باقی بچوں کے متعلّق دریافت کیا۔ صابر صاحب کا یہ کہنا تھا اور شزا طوطے کی طرح شروع ہو گئی۔

"اصل میں آپی کی طبیعت گرمی کی وجہ سے تھوڑی خراب ہے وہ تو فُل اے۔ سی چلا کر سو رہی ہیں اور ربیعہ آپی! جو آپی کے بغیر نہیں رہ سکتی تو وہ بھی ان کا ساتھ دے رہی ہیں، مطلب کے سو رہی ہیں اور رہا سوال بھیّا کا۔۔۔ تو وہ پتا نہیں کہاں ہیں؟ اور اسد ٹیوشن گیا ہوا ہے اور رہی میں تو میں تھوڑی فالتو انسان ہوں، اس لیے گھر کی چوکیداری کر رہی ہوں۔ اب بتائیں۔۔۔ بلکہ دکھائیں ابو! آپ کیا کیا لائے ہیں؟" بغیر فُل اسٹاپ لگائے سب کی حرکات باپ کے گوش گزار کر کے اس کی سوئی، وہیں پر آ کر اٹکی، جہاں پر اس کا دماغ اٹکا ہوا تھا اور اس کی تیز گام کی طرح چلتی زبان دیکھ کر صابر صاحب کا ہاتھ گلاس تھامے ہَوا میں معلّق ہی رہ گیا تھا اور صغریٰ بیگم آدھی لیٹی آدھی بیٹھی ہاتھ گال پر ٹکائے گویا آنکھوں سے اس کا ایکسرے کرتی جہاں کی تہاں تھی۔

"ہائے اللہ، ایسی زبان۔۔۔!" صغریٰ بیگم کی زبان تھوڑا بولنے کے قابل ہوئی تو یہ کہتے ساتھ ہی انھوں نے پاس بیٹھی شزا کی پیٹھ پر دھموکا رسید کیا۔ شزا اتنا بھاری ہاتھ پڑنے پر بِلبلا اٹھی۔

"کیا ہے امی۔۔۔ میں نے کیا کیا ہے؟"

"کیا کیا ہے۔۔؟" تحیر سے صغریٰ بیگم نے اسی کی بات دُہرائی۔ "گز بھر کی لمبی زبان۔ باپ کا بھی لحاظ نہیں ہے تجھے۔ بس! گٹ پٹ کیے جا رہی ہے۔ ایسی زبان کے ساتھ ماں باپ کا نام خوب روشن کرے گی۔۔۔ اور آپ کیا دیکھ رہے ہیں صابر صاحب۔۔۔؟" اب تو توپوں کا رُخ صابر صاحب کی طرف ہو چکا تھا۔ شزا نے کِھسکنے میں ہی اپنی عافیت جانی اور منظر سے غائب ہو گئی۔

◆◆◆

شام تک شزا کی بے تابی عروج پر پہنچ چکی تھی، قبل اس کے کہ وہ خود ہی شاپرز چیر پھاڑ دیتی، صغریٰ بیگم نے شام کی چائے پر آپی سے شاپرز لا کر کھولنے کا کہا اور کھلتا شاپر، سب کی آنکھیں کھول گیا۔ "اب یہ میرا ہے، یہ میرا ہے۔" کی جنگ شروع ہو چکی تھی، اس میں سارے بچوں کی اعلیٰ سے اعلیٰ شاپنگ کی گئی تھی۔ معمولی سے معمولی چیز بھی برانڈ دیکھ کر لی گئی تھی۔ ایک شاپر میں نئے پردے، کُشنز، نیز کراکری اور سجاوٹ کا سامان تھا۔ اب صغریٰ بیگم کہہ رہی تھیں۔

"صوفے کا آرڈر دے کر تو ہم آ گئے ہیں۔ بس! کلر والا بھی کل پرسوں آ جائے گا تو پورا گھر نیا نکور ہو جائے گا، پھر دیکھنا۔۔۔ زرینہ آپا کی آنکھیں ہمارا گھر دیکھ کر کھلی کی کھلی رہ جائیں گی۔" اِک غرور سا ان کے لہجے میں بول رہا تھا۔ اس سب چکر میں ان کی نگاہ صابر صاحب کی طرف گئی ہی نہیں، جو پریشانی سے اپنا ماتھا مَسل رہے تھے اور شزا کَن اکھیوں سے انھیں دیکھے جا رہی تھی۔

◆◆◆

"صغریٰ! میں سوچ رہا تھا کہ کلر بعد میں کروا لیتے ہیں۔ ابھی۔۔۔" وہ کچھ بولتے بولتے رک گئے اور صغریٰ بیگم جو ہر فکر سے آزاد بیٹھی چائے کی چُسکیاں لے رہی تھی، اس بات پر تیکھے چتونوں سے انھیں دیکھنے لگی۔ اس کے اس انداز پر صابر صاحب تھوڑے گھبرا گئے۔ "میرا مطلب تھا کہ قربانی بھی تو کرنی ہے نا۔" دل کڑا کر کے آخر کار انھوں نے جملہ مکمل کر ہی لیا۔

"تو کلر کا قربانی سے کیا تعلّق ہے صابر صاحب۔۔۔!"

"تعلّق تو کوئی نہیں ہے، لیکن ابھی اتنی بساط نہیں ہے۔ سعد اور میری تنخواہ پہلے ہی اس سارے چکر میں آدھی ہو چکی ہے اور صوفے کے پیسے بھی ابھی دینے باقی ہیں، پھر کلر کے لیے آفس سے جو میں اُدھار لے رہا ہوں، اُس سے قربانی کر لیتے ہیں۔ کلر بعد میں ہوتا رہے گا۔" صابر صاحب نے تفصیل سے اپنی بات سمجھائی، لیکن ان کی زوجہ شاید ایک کان سے سن کر دوسرے سے نکال چکی تھی۔

"تو ہم پر قربانی فرض ہے کیا؟ ہم کون سا صاحبِ نصاب ہیں؟" ان کی اس لاپروائی سے جواب دینے پر صابر صاحب نے افسوس سے انھیں دیکھا۔

"اللہ کا خوف کریں صغریٰ بیگم! ہم صاحبِ نصاب نہیں ہیں کیا؟ بس! میں قربانی کر رہا ہوں۔ تین حصے ڈالنے ہیں۔ میں کسی مدرسے میں اپنا حصہ ڈال رہا ہوں۔" وہ مضبوط لہجے میں کہتے ہوئے اٹھنے لگے۔

"آپ ایسا کچھ نہیں کریں گے صابر صاحب! اگر حصہ ڈالنا ہے تو اپنا حصہ ڈال لیں۔ میں اور سعد اگلے سال کر لیں گے قربانی!!" بے توجہی ابھی بھی ان کے لہجے سے عیاں تھی۔ "میں زرینہ آپا کے سامنے شرمندگی نہیں اٹھا سکتی۔۔۔!"

"اور اللہ کے سامنے۔۔۔؟" سوال تھا یا کوئی انگارہ۔ تھوڑی دیر کے لیے ان کی زبان کو چپ کے تالے لگ گئے۔ "بولیں نا! اللہ کے سامنے شرمندگی اٹھا لیں گی۔" صابر صاحب ان کے جواب

کے منتظر کچھ دیر کھڑے رہے، پھر باہر نکلنے لگے تو ایک آواز نے انھیں منجمد کر دیا۔

"ابو! میرے پاس یہ پندرہ ہزار روپے ہیں۔آپ ان سے قربانی کر لیں امی اور بھیّا کی۔ابو! ہو جائے گی نا ان پیسوں سے قربانی ۔۔۔؟میں کل اسکول گئی تھی نا تو ہماری اسلامیات کی ٹیچر کہہ رہی تھیں کہ قربانی اللہ کا وہ محبوب عمل ہے، جس سے بندے کا اللہ کی محبت کے بارے میں پتا چلتا ہے۔ ہمیں تو اللہ سے محبت کرنی چاہیے نا ابو۔یہ پیسے میں اپنی پاکٹ منی سے عمرے میں جانے کے لیے جمع کر رہی تھی، لیکن خیر ہے اور ہو جائیں گے۔آپ یہ لے لیں ابو! اللہ تعالیٰ کو پتا چلنا چاہیے کہ شزا اِن سے کتنا پیار کرتی ہے۔" اس کی آنکھوں میں ہلکی سی نمی تھی۔صابر صاحب کے آنکھوں کے گوشے بھی بھیگ گئے تھے۔انھوں نے بے ساختہ آگے بڑھ کر اپنی معصوم بیٹی کا ماتھا چوم لیا۔آج سے پہلے ان کو یہ احساس تک نہ ہو سکا تھا کہ بیٹیاں اتنی بڑی رحمت ہوتی ہیں، ان کی بیٹی کے دل کے اندر اتنا احساس چھپا تھا، وہ پہلے کب جانتے تھے۔

"میری بیٹی کتنی بڑی ہو گئی ہے۔ کتنی سمجھ داری کی باتیں کرنے لگی ہے۔یہ پیسے آپ اپنے پاس رکھو بیٹا! قربانی ہو جائے گی سب کی اور عمرے میں، مَیں اپنی بیٹی کو خود لے کر جاؤں گا۔ ٹھیک ہے!" انھوں نے شفقت سے ہاتھ میں اپنی بیٹی کا چہرہ لیتے ہوئے کہا تو وہ اثبات میں سر ہلانے لگی۔

"اِدھر آ شزا۔۔۔!" صغریٰ بیگم نے پکارا تو وہ "جی، امی!" کہتی ہوئی ان کے پاس آ گئی۔

"اتنا بڑا سبق، جو تیر اباپ آدھے گھنٹے میں نہ سمجھا سکا، وہ تُو ایک لمحے میں سمجھا گئی۔" اس الزام پر صابر صاحب نے انھیں گھورنے کی کوشش کی، لیکن صغریٰ بیگم نے اُلٹا انھیں گھورا۔

"ایسے کیا دیکھ رہے ہیں۔۔۔ میری یہ حساس اور معصوم بیٹی، شکر ہے آپ پر گئی ہے، ورنہ۔۔۔ خیر چھوڑیں! آگے اپنی بے عزتی کا خطرہ تھا، سو خاموش رہیں اور ساتھ ہی "شاباش" کہتے ہوئے ایک دھموکا شزا کی پیٹھ پر دے مارا۔

"یہ کیا امی۔۔۔! شاباشی پر بھی کوئی مارتا ہے کیا۔۔۔؟؟" وہ کراہی۔

"میں مارتی ہوں۔۔۔ اب چل اُٹھ! سعد کو بلا اور اس سے پوچھ کہ حصہ کہاں ڈالنا ہے قربانی کا؟" شزا پیٹھ سہلاتی "اچھا" کہتی اُٹھ کھڑی ہوئی اور صغریٰ بیگم اس سبق کو اپنے دل میں اتر جانے پر اُس کریم رب کا شکر ادا کرنے لگی، جو احساس بھی کسی عطا کی طرح ودیعت کرتا ہے۔

بقیہ

عید کی سہانی یادیں

ریفریجریٹر میں گھس گئے جا کر۔۔۔ توبہ توبہ!!

ہاں تو ہم یہ کہہ رہے تھے کہ خیر جناب!! بڑے مزے کی عیدیں ہوا کرتی تھیں اس وقت، ابا جی خاص طور پہ غریبوں کا بہت خیال کرتے تھے، وہ مستحب طریقے پر گوشت کے برابر تین حصے بناتے۔ایک اپنے گھر کے لیے، ایک رشتے داروں کے لیے اور ایک غریبوں کے لیے۔ کبھی کبھی ساتھ ایک حصہ بڑے جانور میں بھی لے لیا کرتے تھے۔ قربانی والے دن امی بہت مزے دار سا گوشت پکاتیں۔کچھ گوشت کو نمک لگا کر کڑھائی میں بھون کر رکھ دیا کرتیں اور ہم بچے اس میں سے اٹھا اٹھا کر کھاتے رہتے جو کہ بہت ہی لذیذ ہوتا تھا۔

امی جان نے ہمیں کبھی قورمہ بنا کر نہیں کھلایا۔۔۔ بھئی سیدھی سی بات کہ اس وقت ہمارے گاؤں میں کوئی قورمے اور بریانی کا نام بھی نہیں جانتا تھا۔ہاں، عید کی شام کو ابا جی خود اپنے ہاتھوں سے باریک قیمہ بنا کے چپلی کباب بناتے اور ہم سب کو کھلا کے خوش ہوتے۔ایک بار ایسا ہوا کہ عید کی شام ابا جان کہیں تشریف لے گئے اور ہم چپلی کبابوں کے فراق میں باؤلے ہوئے پھر رہے تھے کہ خود اپنی مدد آپ کے تحت امی جان سے تھوڑا سا گوشت لے کر سارے اوزار سنبھالے اور خود ہی قیمہ بنانے بیٹھ گئے۔یہ تو اچھا ہوا بڑے بھیّا موقع پر تشریف لے آئے اور قیمہ بنانے میں ہماری مدد کی، پھر ہم نے اس میں نمک مرچ ملایا اور توے پر تل لیے۔۔۔ لو جی! بن گئے مزے دار کباب۔اب ہمیں کیا پتا تھا کہ کباب میں نمک مرچ کے علاوہ بھی کچھ ڈالا جاتا ہے؟ معصوم سا بچپن تھا ہمارا۔ بس نمک مرچ کا ذائقہ ہی پتا چلتا تھا۔ خیر جناب! اب آپ کو یقین نہیں تو نہ سہی۔۔۔! مگر ہم بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں کہ وہ واقعی بہت لذیذ کباب تھے۔ کیا پتا یہ ہمارے سگھڑ ہاتھوں کی کرشمہ سازی ہو۔۔۔ یا پھر یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ہمارے معصوم بچپن کو ذائقوں کی پہچان ہی نہیں تھی، بس جو کچھ بھی تھا، ہم تو یہی کہیں گے "کباب تھے بہت مزے دار!!"

پھر عید کے دوسرے دن امی، گوشت کا یخنی پلاؤ بناتیں اور ہماری تو گویا عید پر عید ہو جاتی۔ ویسے ہم نے اپنے بچپن میں کبھی بھی پلاؤ کے ساتھ شامی کباب نہیں کھائے۔۔۔ کیوں کہ ہماری امی جان نے کبھی بھی یہ تکلّف نہیں فرمایا تھا۔جی جناب! وجہ وہی "سادگی" اور وہ "چپلی کباب" بھی ہم ابا جان کے تعاون سے کھالیا کرتے تھے، ورنہ امی حضور شاید۔۔۔ بس جناب گوشت ختم!! اب آپ خود ہی سوچیں بکرے کے تیسرے حصے میں سے بندہ کتنے دن کھا سکتا ہے؟

عید کے تیسرے دن اگر کسی کے ہاں قربانی ہوتی اور گوشت آتا تو وہ پک جاتا یا پھر اگر نمک لگے گوشت میں سے کچھ بچا ہوا ہوتا تو اس میں چنے کی دال ڈال کر امی سالن بنا لیا کرتیں، ورنہ دال سبزی کے ساتھ مزے کرو۔

جناب! گاؤں میں عید کے بعد بھی ہفتہ، دس دن تک گوشت نہیں ملتا تھا اور جیسے ہی ذی الحج کا چاند نظر آتا قصائیوں کی دکانیں بند ہو جاتی تھیں۔جی ہاں! دس دن پہلے گوشت پر بین لگ جاتا تھا، خیر! یہ ہمارے بچپن کی بات تھی، اب تو نہ جانے ہمارے گاؤں میں کیا کچھ تبدیل ہو چکا ہے۔جی جی آپ ٹھیک سمجھے۔۔۔ "تبدیلی آ نہیں رہی، تبدیلی آ چکی ہے۔"

جی ہاں، مکمل تبدیلی!! اب تو ہم بھی بچپن سے نکل کے پچپن میں جانے والے ہیں۔ بچپن کی وہ عیدیں جو کسی کلنڈری دوشیزہ کی طرح ہوتی تھیں، اب کسی سنجیدہ، بردبار اور گرہستن قسم کی خاتون کا روپ دھار چکی ہیں، مگر بچپن کی وہ عید کے دن والی معصوم سی خوشی آج بھی ہر عید پر محسوس ہوتی ہے، کیوں کہ یہ دن ہمیں ہمارے اللہ نے دیے ہیں خوشیاں منانے کے لیے، سو خوش رہیے اور خوشیاں بانٹیے۔

اللہ تعالیٰ کی خاطر لوگوں سے حسنِ سلوک کیجیے، آپس میں ایک دوسرے کو تحفے تحائف دیجیے۔ قربانی کا گوشت خود بھی کھائیے، رشتہ داروں اور دوست احباب کی بھی دعوت کیجیے۔

قربانی کی روح

حمیرا علیم

"امی! امی! ہم نے بھی بیل لینا ہے۔" قصی، ہالہ اور انمار اسکول سے گھر آئے تو بستے لاؤنج میں میز پہ رکھ کر چلائے۔

"نہ سلام نہ دعا اور بیل لینا ہے، یہ کیا بات ہوئی بھلا؟" دادو جو صوفے پہ بیٹھی قرآنِ پاک پڑھ رہی تھیں، بولیں تو وہ شرمندگی سے بولے۔

"السلام علیکم!"

"وہ دادو! کعب لوگوں کے گھر کے باہر بیل بھی بندھا ہوا ہے اور دو بکرے بھی۔۔۔ بس وہی دیکھ کر انھیں دورہ پڑ گیا ہے۔" ہالہ جو میٹرک کی طالبہ تھی، نے بتایا تو امی نے کھانا ٹیبل پہ لگاتے ہوئے حکم دیا۔

"ابھی تو سب فریش ہو کر کھانا کھالو، پھر بات کرتے ہیں۔"

تو سب اپنے کمروں میں چلے گئے۔ کھانا کھانے کے بعد دادو نے انھیں اپنے کمرے میں آنے کا کہا۔ جب وہ تینوں ان کے کمرے میں پہنچے تو دادو نے انھیں بستر پہ اپنے پاس بٹھاتے ہوئے پوچھا۔

"ذرا یہ تو بتاؤ کہ عیدالاضحیٰ کا مطلب کیا ہے؟"

"دادو! ہم ابراہیم علیہ السلام کی سنت پوری کرتے ہوئے قربانی کرتے ہیں۔" ہالہ نے جواب دیا تو دادو گویا ہوئیں۔

"بالکل ٹھیک! لیکن اس کا یہ مطلب تو ہرگز نہیں ہے کہ ہم دوسروں کے ساتھ مقابلہ بازی شروع کر دیں، اگر کوئی ایک لاکھ کا بیل لے کر آیا ہے تو ہم سوا لاکھ کا لیں گے، تبھی قربانی ہو گی، ورنہ نہیں ہو گی۔ اللہ تعالیٰ کو لوگوں کے گوشت کی ضرورت نہیں ہوتی، بلکہ وہ تو نیت دیکھتے ہیں کہ کس نے کتنے خلوص اور پیار سے میرا حکم مانا ہے۔

وہ حدیث تو سنی ہو گی تم لوگوں نے کہ اللہ تعالیٰ صدقے میں دی گئی ایک کھجور کی گٹھلی کو بھی ایسے بڑھاتے ہیں کہ وہ اُحد پہاڑ کے برابر ہو جاتی ہے تو بیٹا! جس کی جتنی استطاعت ہوتی ہے، اتنی قربانی وہ کر سکتا ہے نا۔۔۔ اور اللہ تعالیٰ سے بہتر ہمارے حالات کو کون جانتا ہے۔ اس لیے اگر تمہارے بابا بیل نہیں خرید سکتے ہیں تو کیا قربانی ہی نہ کریں؟

دادو نے استفسار کیا تو قصی اور انمار نے شرمندگی سے سر جھکا دیے۔

"تم لوگوں نے اسلامیات میں پڑھا ہے نا کہ جنگ کے موقع پہ ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنے گھر کا سارا سامان لے آئے تھے، حتیٰ کہ اپنا لباس بھی۔۔۔ تو اللہ تعالیٰ نے خوش ہو کر فرمایا تھا: "میں اُن سے راضی ہو چکا ہوں، جس طرح وہ مجھ سے راضی ہے۔" اور اللہ کو ان کا لباس اتنا پسند آیا کہ اللہ کے حکم سے تمام حاملینِ عرش بھی وہی لباس پہنے ہوئے ہیں جو آپ کے صدیق نے پہنا (الحدید:10)

حالاں کہ وہ سامان چند چیزیں ہی تھیں، مگر ان کی نیت اچھی تھی تو اللہ تعالیٰ نے انھیں کتنا صلہ دیا ہے نا!"

"اس کا مطلب یہ ہوا دادو! کہ اگر ہم ایک چھوٹا سا بکرا بھی خریدتے ہیں اور ہمارا ارادہ یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ خوش ہو جائیں تو ہمیں بھی بہت سارا ثواب ملے گا؟"

انمار جو صرف پانچ سال کا تھا، اس نے اپنی سمجھ کے مطابق سوال کیا تو دادو نے اسے پیار کرتے ہوئے جواب دیا: "بالکل میرا بچہ! اب تم لوگ جاؤ، ہوم ورک کرو، میں ذرا آرام کروں گی۔"

شام میں انمار اور قصی بابا کے ساتھ جا کر ایک اچھا سا بکرا خرید لائے اور بڑے فخر سے اسے ساری گلی میں گھمایا۔ دو دن بعد عید تھی، لہٰذا دونوں بھائیوں نے بکرے کی خوب خدمت کی۔ کبھی اسے چارا کھلاتے تو کبھی پانی پلاتے، کبھی باہر گھمانے لے جاتے۔

عید والے دن دونوں صبح اٹھے، تیار ہو کر بابا کے ساتھ نماز پڑھنے گئے، واپس آ کر امی، ہالہ اور دادو سے عید ملی، پھر کپڑے تبدیل کر کے بابا کے ساتھ قربانی کے لیے تیاری کرنے لگے۔ چُھریاں، بغدے، چٹائی، پانی کی بالٹی، تھال سب صحن میں رکھا اور بکرے کو لے کر آئے۔ بابا نے بکرا ذبح کیا، پھر گوشت کاٹ کے دادو اور امی کے حوالے کر دیا۔

"لو بھئی! میں تو تھک گیا۔ اب تم لوگ بانٹو اسے اور ذرا کلیجی پکا کر مجھے کھانا دے دو۔" بابا نے امی سے کہا اور نہانے چل دیے۔۔۔ تو قصی نے پوچھا۔ "امی! بابا نے کلیجی پکانے کا کیوں کہا؟"

"وہ اس لیے بیٹا، کیوں کہ یہ نبی ﷺ کا طریقہ تھا کہ وہ عیدِ قرباں پہ کلیجی کھایا کرتے تھے۔"

"اچھا، جیسے یکم ذی الحج سے پہلے ناخن اور بال کاٹ لینے چاہییں اور پھر قربانی دے کر کاٹنے کی سنت ہے، ویسے ہی یہ بھی سنت ہے۔"

"جی ہاں! اب تم دونوں جاؤ اور جن لوگوں کے گھر قربانی نہیں ہوئی گوشت دے آؤ۔" ہالہ نے کہا تو انمار بولا "صرف ان کے ہاں ہی کیوں؟ سب کو کیوں نہیں؟"

"کیوں کہ جن کے گھر میں قربانی ہوئی ہے، ان کے ہاں تو گوشت ہے نا اور جن کے ہاں نہیں ہوئی، ان کو بھی تو ملنا چاہیے نا۔ چلو زیادہ باتیں نہ کرو اور فوراً جاؤ۔" یہ کہہ کر ہالہ نے انھیں پلیٹ پکڑا کر باہر بھیج دیا۔ کچھ دیر بعد دونوں واپس آئے تو بہت خوش تھے۔

"باجی! آپ نے بالکل ٹھیک کہا تھا، جب ہم گوشت بانٹنے گئے تو میرا دوست ہے نا شیخ! جس کے بابا کچھ دن پہلے فوت ہو گئے تھے، ان کے دروازے کے باہر کھڑے تھے تو ہم نے سنا اس کا چھوٹا بھائی رو رہا تھا کہ اسے گوشت ہی کھانا ہے اور آنٹی اسے سمجھا رہی تھیں کہ ابھی اللہ تعالیٰ گوشت بھیجیں گے تو میں اپنے بیٹے کو پکا کر کھلاؤں گی۔"

جب ہم نے دروازہ بجا کر پلیٹ دی تو ان کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ انھوں نے ہمیں پیار کیا اور شکریہ ادا کیا۔" امی کیا میں اپنے حصے میں سے ایک اور پلیٹ ان کو دے آؤں۔" انمار نے جھٹ سے کہا، تاکہ ماں برا نہ مان جائیں۔

امی نے ہنستے ہوئے جواب دیا: کیوں نہیں بیٹا! یہ سب تمہارا ہی حصہ ہے، جتنا مرضی دے آؤ۔

انمار نے خوش ہو کر ایک پلیٹ بھری اور دوبارہ شیخ کے گھر کی طرف چل دیا۔ دادو نے خوشی سے اپنے پوتے کو دیکھا اور بہو سے بولیں: "شکر ہے، میرے بچوں کو عیدِ قربان کی روح سمجھ آ گئی کہ یہ موقع اپنی ضروریات اور خواہشات پہ دوسروں کو ترجیح دینے کا ہے۔ ان شاء اللہ! یہ ضرور ابراہیم علیہ السلام اور محمد ﷺ کی تمام سنتوں پر عمل کریں گے۔"

"ان شاء اللہ!" ہالہ اور امی نے کہا اور کھانا بنانے لگیں۔

عالمی ادارہ

بیت السلام

ویلفیئر ٹرسٹ

زکوٰۃ ایک فریضہ

صرف قابلِ اعتماد ہاتھوں سے

BAITUSSALAM

ہو فرض بھی ادا

بھوت کے جوتے

دعا اسماء

آج چھوٹے ماموں کینیڈا سے آئے ہوئے تھے۔ امل اور شایان کی خوشی کا کوئی ٹھکانا نہیں تھا۔ چھوٹے ماموں دونوں بچوں کے لیے بہت سارے گفٹ لائے تھے، جنہیں دیکھ کر امل اور شایان پھولے نہیں سما رہے تھے۔

دونوں کافی دیر تک ایک دوسرے کی چیزیں دیکھتے رہے تھے۔

"ماموں! امی جان کے لیے کچھ نہیں لائے؟؟" اچانک امل نے پوچھا۔

امی جان بھی پاس ہی بیٹھی ہوئی تھیں۔

"ارے بھئی! کیوں نہیں لائے ہم؟ لائے ہیں نا بلکہ سب سے اسپیشل تو ان کا گفٹ ہے۔"

ماموں جان نے چہکتے ہوئے کہا۔

"ایسا کیا لائے ہیں آپ بھئی؟" امی جان نے مصنوعی گھبراہٹ سے کہا، جسے دیکھ کر امل اور شایان ہنس پڑے، جب کہ ماموں جان مسکرا دیے۔

"ہماری پیاری بہنا کو سردی بہت لگتی ہے، اس لیے ہم ایک مضبوط مال والے چپل لائے ہیں۔" ماموں جان نے کہا۔

"اووواؤ۔۔۔تو کہاں ہیں وہ؟" شایان نے تجسّس سے پوچھا۔

ماموں خاموش رہے۔ امل اور شایان کی بے چینی مزید بڑھ گئی۔

"بتائیں نا ماموں۔" شایان نے بے چینی سے کہا۔

"ہاں نا ماموں جان! آپ کس چیز کا انتظار کر رہے ہیں؟" امل نے پوچھا۔

"ارے بھئی! اتنے بے صبرے کیوں ہوئے جا رہے ہو، ماموں جان اپنی مرضی سے ہی دکھائیں گے نا۔" امی جان نے دونوں بچوں کو ٹوکا۔

"تو ماموں بھی تو بتائے کر ہی نہیں دے رہے۔" امل نے کہا۔

"کیا نہیں دے رہے؟" شایان نے حیرت سے کہا۔

"بتائے" امل نے منہ بنایا۔

"حد ہو گئی۔" شایان نے امل کو آنکھیں دکھاتے ہوئے کہا۔

"اور بے حد ہو گئی۔" امی جان نے جھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"او ہو امی جان! کیا ہو گیا ہے؟ اتنے غصے میں کیوں لگ رہی ہیں؟" شایان نے گھبراتے ہوئے کہا۔

"بھائی جان! آپ ہی بتا دیں، کہاں ہیں وہ جوتے؟" امی جان نے منہ بسور کر کہا۔

ماموں جان کا دایاں بازو حرکت میں آیا، جس میں ایک چھوٹا سا پانی کے رنگ جیسا ریموٹ کنٹرول تھا۔

"یہ کیا! ! یہ کیسا ریموٹ ہے؟" امل نے حیرانی سے پوچھا۔

"یہ ان جوتوں کا ریموٹ ہے۔" ماموں جان نے کہا تو دونوں کی ہنسی نکل گئی اور ماموں جان اور امی جان کا منہ۔۔۔!

"ایسے ہنستے نہیں ہیں بڑوں پر۔" امی جان نے خفگی سے کہا۔

"ارے راحت! کچھ نہیں ہوتا، ہنسنے دو بچوں کو۔" ماموں جان نے ہنس کر کہا۔

"ماموں جان بتا بھی دیں نا، کیا جوتے ریموٹ پر چلتے ہیں؟" شایان کا تجسّس عروج پر تھا۔

"آہستہ آہستہ پتا چل جائے گا کہ کیا چیز ہیں۔" اچانک ماموں جان اٹھ کر اپنے کمرے میں چلے گئے۔ ان دونوں کو تجسّس کے سمندر سے نکالے بغیر۔۔۔

"یہ کیا بات ہوئی؟" امل نے منہ بسور کر کہا۔

"ماموں جان بتا کر تو جاتے یہ کیا چیز ہے؟" امل نے ریموٹ کو دیکھ کر پوچھا۔

"چلو بچو! سو جاؤ، بہت رات ہو گئی ہے۔" امی جان بھی چیزیں سمیٹتے ہوئے بولیں۔

"مگر ہم اپنے سسپنس کا کیا کریں؟؟" شایان نے کہا۔

"گلا گھونٹ دو۔" امی جان نے کہا۔

"جج۔۔۔جی کس کا؟؟" شایان نے اپنی آنکھیں حیرت سے پھیلا کر کہا۔

"سسپنس کا۔" امی جان اٹھ کر کمرے سے نکل گئی ہیں۔

شایان کا منہ بن گیا امل کی ہنسی نکل گئی۔

رات کا وہ جانے کون سا پہر تھا، جب دو سائے صحن سے گزر کر ایک کمرے میں جاتے دکھائی دیے۔ ان کا انداز بہت محتاط تھا، جیسے کوئی بہت بڑا معرکہ حل کرنے نکلے ہوں۔ ان کے چلنے کا انداز ایسے تھا، جیسے وہ کسی دشمن کے علاقے میں ہوں، جہاں تھوڑی سی آہٹ پیدا ہونے پہ دشمن چوکنّا ہو جائے گا۔

"جلدی جلدی وہ جوتے ڈھونڈو، جانے کہاں گئی۔" یہ شایان کی آواز تھی۔

"حکم تو تم مجھے ایسے دے رہے ہو جیسے میرے آفیسر ہو۔" امل نے جلے کٹے انداز میں شایان سے کہا، مگر اس نے یہ بات سرگوشی میں کہی تھی۔

"چپ رہ کر کام کرو۔" شایان نے منہ بسور کر امل سے کہا۔

"چلو جلدی ڈھونڈو کسی نے دیکھ لیا تو بہت مار پڑے گی۔" امل نے تیزی سے ہاتھ چلاتے ہوئے کہا۔

شایان بھی اس کا ساتھ دے رہا تھا۔

جوتے کہیں بھی نہیں تھے، جب کہ وہ ریموٹ میز کے اوپر پڑا ہوا تھا، اس کا رنگ ایسا تھا کہ دور سے نظر ہی نہیں آتا تھا، جب تک قریب جا کر غور سے نہ دیکھا جاتا۔

اس میں پانی کے رنگ جیسا ہی بٹن لگا ہوا تھا۔

"جوتوں کے ساتھ ریموٹ۔۔۔ عجیب بات ہے۔" شایان کے منہ سے نکلا۔

"اس سے بھی عجیب بات یہ کہ وہ جوتے ہیں ہی نہیں کہیں پر بھی۔" امل بولی۔

"ایسا نہیں ہے، وہ جوتے یہیں موجود ہیں، لیکن ہماری نظروں سے اوجھل ہیں۔" شایان نے کہا

"مگر کیوں! وہ ہماری نظروں سے کیوں اوجھل ہیں؟؟" امل نے بھولے پن سے کہا۔

"کیوں کہ وہ ہم سے ناراض ہیں۔" شایان نے بھنا کر کہا۔

"کیوں، کیسے؟" امل نے حیرت سے کہا۔

"تم چپ نہیں رہ سکتیں؟؟" شایان غصے سے بولا۔

"نہیں۔" امل نے صاف گوئی سے کہا۔

"وقت ضایع نہ کرو بے تکی باتوں سے، کام کرو۔" شایان واقعی جھلایا ہوا لگ رہا تھا، امل چپ چاپ کام کرنے لگی۔

"یہ چیز!" فتح سے پُرجوش آواز شایان کی سنائی دی۔

"کیا ہوا، مل گئی جوتے؟؟" امل نے پوچھا۔

"مٹی ڈالو جوتوں پر۔"

"مل تو جائیں، مٹی بھی ڈال دوں گی۔" امل نے کہا۔

"یہ دیکھو! میرے ذہن میں ایک آئیڈیا آیا ہے۔۔۔ کیوں نا اس ریموٹ کے بٹن کو دبا کر چیک کیا جائے، کیا پتا جوتے سامنے آجائیں۔" شایان نے چہکتے ہوئے کہا۔

"بے وقوف ہو۔۔۔ کیا جادوئی کہانیوں جیسی باتیں کر رہے ہو۔۔۔ ایسا کہاں ہوتا ہے؟؟؟" امل نے ہنس کر کہا۔

"تم کہتی رہنا مجھے بے وقوف، ورنہ میں اپنی ذہانت کے بل بوتے پر ایسا انقلاب برپا کروں گا کہ تم دیکھتی رہ جاؤ گی۔" شایان نے جل کر کہا۔

"ذہین اور تم۔۔۔ ارے جاؤ میاں!" امل نے ہاتھ نچاتے ہوئے کہا۔

شایان نے سر جھٹک کر "ہونہہ" کہا اور ریموٹ ہاتھ میں لے لیا۔

"اب میں بٹن دبانے لگا ہوں، تم برابر دیکھتی جانا چاروں طرف کہیں سے بھی جوتے برآمد ہو سکتے ہیں" شایان نے حکم دینے والے انداز میں کہا۔ شایان کی سنجیدگی دیکھ کر امل نے اثبات میں سر ہلایا۔

شایان نے بسم اللہ پڑھ کر بٹن دبایا۔ اچانک ایک ہلکی سی جنبش ہوئی اور پھر چپل ہوا میں لہرائے، جن پر امل کی نظر پڑتے ہی وہ چیخ پڑی۔

"شایان! وہ رہے۔۔۔ جج۔۔۔ جوتے۔" امل نے انگلی کے اشارے سے شایان کو کہا۔

شایان بھی ریموٹ چھوڑ کر چپل دیکھنے لگا۔

امل نے آگے بڑھ کر جوتے اٹھانے چاہے، مگر وہ تو صرف دکھائی دے رہے تھے، ہاتھ میں نہیں آرہے تھے۔

"یہ کیا بھوت کے جوتے ہیں؟" امل نے حیرت کے عالم میں کہا۔

شایان چونکا۔

"کیا کہا، بھوت کے جوتے!!" شایان نے حیرت سے کہا۔

"کیوں کیا ہوا؟" امل نے کہا۔

"کچھ نہیں۔" شایان نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

"چلو پکڑو جوتوں کو۔" شایان بولا۔

"مگر یہ ہاتھ میں نہیں آرہے۔" امل روہانسی ہو گئی۔

"تو تم رونے کیوں لگی ہو؟" شایان نے اپنی مسکراہٹ دباتے ہوئے کہا۔

"چلو! تم ایک اور آئیڈیا سوچو۔" امل نے کہا۔

"کیسا آئیڈیا؟" شایان نے پوچھا۔

"جوتوں کو پکڑنے کا۔۔۔ کیوں کہ ان کا وجود نہیں ہے، یہ صرف ہوائی ہیں۔" امل بولی۔

"ہو سکتا ہے، اس کا بٹن بھی ریموٹ میں ہی ہو" شایان واپس ریموٹ کی طرف مڑا اور اسے اٹھا لیا۔

"چلو دیکھتے ہیں، کوئی تو بٹن ہو گا، جو ان کو وجود میں لائے گا۔" یہ کہتے ہوئے شایان نے بٹن ڈھونڈنے کی کوشش کی، مگر کہیں نہیں تھا۔

"یہ کیا بات ہوئی؟" شایان بولا۔

"کون سی بات؟" امل نے مسلسل جوتوں کی طرف نظریں جماتے پوچھا۔

"اس ریموٹ میں سوائے ایک بٹن کے، دوسرا کوئی بٹن ہی نہیں۔" شایان نے امل کو بتایا۔

"یہ تم کیا کہہ رہے ہو۔ دیکھو تو سہی غور سے، ہو گا یہیں کہیں۔" امل نے بے چینی سے کہا۔

"نہیں ہے بھئی! بہت دیکھ چکا" شایان نے تھکے تھکے لہجے میں کہا، جسے امل نے فوراً بھانپ لیا۔

"دیکھو! تم بہت تھک گئی ہو اس چکر سے تو جا کر آرام کر لو، میں انکل پروفیسر شہزاد کے ہاں جا رہی ہوں، ان کی خوردبینی کے ذریعے اس ریموٹ کا معائنہ کرنے۔۔۔ ہو سکتا ہے کوئی بہت ہی باریک بٹن ہو۔" امل نے جلدی جلدی کہا۔

"تم اس وقت جاؤ گی؟ وہ سرالمان گئی تو۔۔۔ اور یہ جوتے اتنے اہم کیوں ہیں؟؟" شایان نے کہا۔

"نہیں مانیں گے، کیوں کہ ان کا کہنا ہے کہ ہمیں جس وقت بھی ضرورت پڑے ہم ان کے ہاں جا سکتے ہیں، رہی بات جوتوں کے اہم ہونے کی تو میں بھی اسی بات میں الجھی ہوں، اس کو سلجھانے ہی پروفیسر انکل کے ہاں جانا ضروری ہے۔" امل نے کہا ریموٹ شایان کے ہاتھ سے لیا اور تیزی سے باہر نکل گئی۔

پروفیسر شہزاد کا گھر قریب ہی تھا، سو امل کو اندھیرا ہونے کے باوجود دشواری نہ ہوئی، وہ فوراً ہی پہنچ گئی، دروازے پر دو گارڈ موجود تھے، انھیں پروفیسر صاحب کی ہدایت تھی کہ امل یا شایان میں سے کوئی آنا چاہیں انھیں روکا نہ جائے، چاہے کوئی بھی وقت ہو۔

امل تیزی سے محل نما گھر میں اندر آگئی۔ بڑے ہال سے گزرتے ہوئے امل نے پروفیسر کی لیب کا رُخ کیا، جہاں سائنسی آلات موجود تھے، جن میں ایک عدد خوردبینی بھی الگ تھلگ موجود تھی۔

امل نے تیزی سے اپنا کام شروع کر دیا۔

اچانک دروازے پہ کھٹکا ہوا، امل نے مڑ کر دیکھا۔

"تت۔۔۔ تم؟؟"

ماموں جان تہجد کو اٹھے تو دیکھا کہ دونوں بچوں کے کمرے کے کا دروازہ کھلا ہے۔ انھوں نے حیرت سے اندر جھانکا تو نا امل اپنے کمرے میں تھی اور نا ہی شایان!

"کہاں چلے گئی یہ دونوں؟" وہ جلدی جلدی دونوں کو ڈھونڈنے لگے۔

اچانک ان کے ذہن میں دھماکا ہوا۔

"اوہ۔۔۔ اوہ۔۔۔" وہ زیرِ لب بڑبڑائے اور تیزی سے اس کمرے میں آئے، جہاں کچھ دیر پہلے ہی شایان اور امل موجود تھے، لیکن اس وقت ان کا نام و نشان نہیں تھا۔

"اوہ۔۔ میرے اللہ۔۔ کہیں یہ سارا ان جوتوں کا چکر نہ ہو۔" ماموں جان نے پریشانی سے کہا۔

عین اسی وقت شایان گھر میں داخل ہوا اور اس کے پیچھے امل!

"میری تو ہنسی نہیں رُک رہی، اُف ہاہاہاہا۔" شایان نے جنّاتی قہقہے لگائے۔

"بس، جان لیا جوتوں کا راز۔" شایان طنزیہ طنز کیے جا رہا تھا۔

ماموں جان آواز سن کر صحن میں آگئی اور لگے دونوں کو بری طرح گھورنے۔۔۔

"مم۔۔ ماموں جان! آپ کیا جوتے لائے ہیں، دماغ ہی گھن چکر کر دیا۔" شایان نے کہا۔

"اور یہ سب امل کے فضول تجسّس کی وجہ سے ہوا۔" شایان نے بتایا۔

"ماموں یہ جوتے کیا چیز ہیں؟" امل نے پوچھا۔

"کچھ بھی نہیں، بس ذرا عقل لڑانے کی ضرورت تھی تمھیں۔" ماموں جان نے کہا۔

"کیا مطلب؟" امل نے چونک کر کہا۔

"مطلب یہ کہ جب تم نے ریموٹ کا بٹن دبایا ہو گا تو جوتے ہوا میں موجود ہوں گے، تم نے ان کو اٹھانے کی کوشش کی ہو گی، لیکن ان کا وجود نہیں ہو گا، محض ہوا ہوں گے، لیکن اگر تم اسی بٹن کو پھر دباتے تو وہ جوتے وجود میں آجاتے، بس اتنی سی بات تھی۔" ماموں جان نے تفصیل بتائی۔

اور وہ دونوں کھسیانے ہو کر وہاں سے کھسکنے لگے۔

تلاش کرنے والوں کی تلاش

طوبیٰ احسن

موسم بہت خوشگوار تھا، ہلکی ہلکی ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔ ہوا کے چلنے سے درختوں کے پتے ہل رہے تھے۔ جنید نے دل چسپی سے ہلتے ہوئے پتوں کو دیکھا۔

"کتنا خوب صورت ہے صبح کا منظر، کاش! اس خوب صورت اور دل کش صبح میں ساحلِ سمندر کے کنارے جاتا، کسی خوب صورت پارک میں جھولے جھولتا یا پھر فارم ہاؤس جاتا، مزے دار ناشتا اور تیراکی کرتا، لیکن۔۔۔" وہ افسردہ ہو گیا۔

"گرمیوں کی چھٹیاں ہیں اور پھر بھی مجھے روز صبح اٹھنا پڑتا ہے۔" وہ اداسی سے سوچتے ہوئے خراماں خراماں سیدھا چل رہا تھا۔

سفید رنگ کا سوٹ، سر پر ٹوپی اور ہاتھ میں قرآنِ پاک، دراصل گرمیوں کی چھٹیوں میں اس کا مدرسہ اب صرف صبح کے وقت کا ہو گیا تھا، اس طرح دوپہر کی کڑکتی دھوپ میں بچوں کو نکلنا نہ پڑے گا، استاد صاحب نے تو بچوں کا ہی فائدہ سوچا تھا، لیکن جنید کو صبح سویرے اٹھنا ذرا بھی پسند نہ تھا۔ خیر وہ سیدھا چلا جا رہا تھا، ابھی آدھا راستہ ہی طے ہوا تھا کہ اس کی نظر کالے رنگ کے بڑے سے گیٹ پر پڑی۔ دروازہ کھلا ہوا تھا، ایک بزرگ صورت مرد اور ساتھ ایک بڑی عمر کی خاتون باہر نکل رہے تھے، جی ہاں! وہ دراصل جنید کے نانی اور نانا جان تھے۔

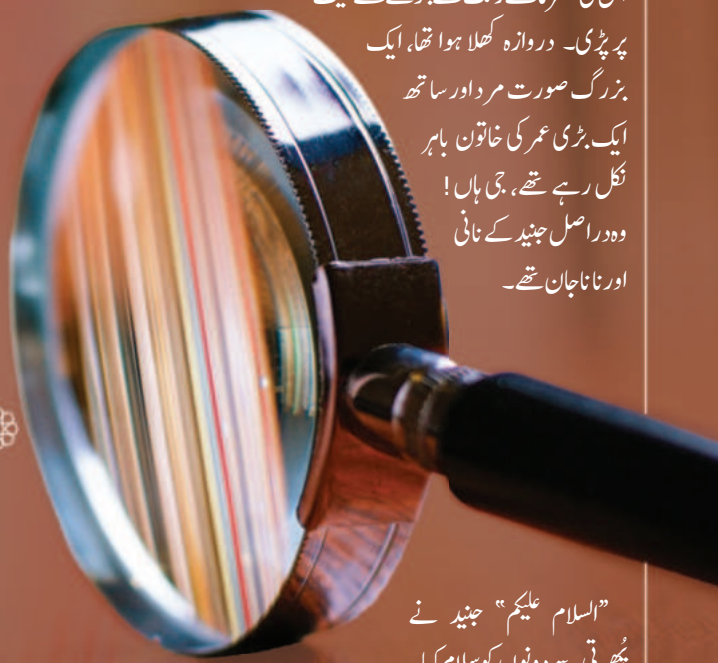

"السلام علیکم" جنید نے پُھرتی سے دونوں کو سلام کیا۔

"وعلیکم السلام، کیا حال ہے بیٹا! آپ مدرسے جا رہے ہیں؟" نانا جان ذرا عجلت میں تھے۔

"جی" جنید نے ادب سے جواب دیا "اور آپ؟"

"بیٹا! آپ کی چھوٹی خالہ کی طبیعت ناساز ہو گئی ہے اور آپ کے خالو تو آپ کو پتا ہی ہے لاہور گئے ہوئے ہیں۔ اچھا، آپ سیدھے مدرسے جائیے! ہم کو بھی جلدی ہے۔"

"جی، میں جا رہا ہوں۔" جنید میاں کی نظر کھلے دروازے پر تھیں، نانا جان اور نانی جان دونوں گاڑی میں بیٹھ چکے تھے۔

"اچھا بیٹا! تم دروازہ بند کر دینا۔" گاڑی زَن سے آگے بڑھ گئی اور دروازہ بند کرتے کرتے اس کو نہ جانے کیا خیال آیا، وہ اندر چلا گیا۔

ہاتھ میں سیپارہ، سر پر ٹوپی لیے وہ دبے قدموں سے گھر کے اندر پہنچا تو اس کو ایک چھوٹے سے بچے کے رونے کی آواز سنائی دی اور وہ خوشی سے کِھل اٹھا، اس کا مطلب ہے کہ گھر کے باقی افراد گھر پر ہی تھے۔

"جنید تم؟" دروازے پر کھڑی خاتون جنید کو دیکھ کر حیران ہوئیں۔ "تم اچانک کیسے؟"

"بس وہ۔۔۔" جنید سے کچھ جواب نہیں بن پایا کہ وہ کیا کہے۔

"اچھا بیٹا! ذرا تم بلال کو پکڑنا، مجھ کو تمہارے ماموں کے لیے چائے بنانی ہے اور ان کو آفس کے لیے دیر ہو رہی ہے۔" مامی نے عجلت میں کہا۔

"جی ضرور۔" جنید کی تو مراد بن آئی تھی، وہ تو یہی چاہتا تھا۔ اس نے فوراً مامی کی گود سے بلال کو لیا اور ٹہلنے لگا۔ مامی باورچی خانے میں چلی گئیں۔ مامی کو بہت کام تھے، ماموں کے کپڑے استری کرنے تھے اور کھانا بنانا تھا، مشین لگانی تھی اور جنید مامی کی مدد کو تیار تھا، قرآن پاک کو نہایت ادب سے نانی کے قرآن والی الماری میں رکھ دیا۔

اور ٹوپی جیب میں ڈال دی اب کون کہہ سکتا تھا کہ وہ پڑھنے کے لیے نکلا تھا۔

"جنید بیٹا! ناشتا کرو گے؟" ماموں جب چلے گئے تو مامی کو خیال آیا۔ مامی کے ہاتھ کے لذیذ چائے پراٹھے۔۔۔ جنید کیسے کفرانِ نعمت کر سکتا تھا۔ اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ بلال کو تو بڑے آرام سے گود میں لے کر ٹہل رہا تھا اور بلال بھی اطمینان سے اس کی گود میں چپکا ہوا تھا۔

وہی ہوا جس کا ڈر تھا، ناشتا کرتے کرتے مامی کو خیال آ ہی گیا۔

"ارے تم تو مدرسے جا رہے تھے؟" مامی اب مشکوک انداز میں جنید کو تک رہی تھیں۔

"وہ اصل میں۔۔۔ آج میرے مدرسے کی چھٹی ہے۔"

"اچھا۔۔۔" مامی خوش ہو گئیں۔ وہ کھانا چولھے پر چڑھا کر کپڑے دھو رہی تھیں، جنید بلال کے ساتھ کھیلنے میں مصروف تھا۔

"جیسے ہی چھٹی کا ٹائم ہو گا میں گھر چلا جاؤں گا۔ اس طرح کسی کو پتا بھی نہیں چلے گا۔" اس نے گھڑی کی طرف نظر دوڑائی، ابھی چھٹی میں پورا ایک گھنٹا تھا۔

جنید کی گود میں بلال اب سو چکا تھا۔ مامی کپڑے دھو رہی تھیں۔ جنید نے نانی کی الماری کھولی، جو سب بچوں کی پسندیدہ الماری تھی، جی ہاں! اس الماری میں ترتیب سے بچوں کے رسالے ساتھی، نونہال، تعلیم و تربیت اور نور رکھے ہوئے تھے، اس نے اس مہینے کا ساتھی نکالا اور بڑے اطمینان سے نکال کر مطالعہ کرنے لگا۔

ادھر جنید کی امی، ابو سے مخاطب تھیں: "ارے سنیے ذرا!"

"جی فرمائیے!" اخبار پڑھتے ابو نے امی کی طرف دیکھا۔

"کل جنید کے مدرسے سے فون آیا تھا کہ اگر ہم چھٹیوں میں بچوں کو منتخب سورتیں حفظ کرانا چاہیں تو کرا سکتے ہیں؟ تو بتائیے میں کیا جواب دوں؟"

"بھئی جنید سے پوچھ لو، اگر وہ راضی ہے تو مجھے کیا اعتراض۔۔۔"

"میں نے پوچھا تھا جنید سے وہ کہہ رہا تھا کہ اس کے دونوں دوست ذیشان اور حماد بھی حفظ میں داخلہ لے رہے ہیں، قرآن تو اس کا ختم ہو چکا ہے۔"

"ٹھیک ہے۔" ابو نے کہا۔

بقیہ صفحہ نمبر 30 پر

محبت یا عشق

اریبہ ارشد

عشق اور محبت میں فرق کیا ہے؟

عنایہ کو آج اس سوال نے پریشان کیا ہوا تھا۔ کافی دیر سوچنے کے بعد بھی اسے اس سوال کا جواب نہیں ملا۔

کبھی اظہارِ محبت میں ہم یوں کہہ دیتے ہیں کہ اس سے مجھے بے پناہ محبت ہے اور کبھی شدّتِ جذبات میں بے پناہ عشق کے الفاظ سے اظہار ہوتا ہے۔

لیکن۔۔جب الفاظ الگ الگ ہیں، جذبات جدا ہیں تو کوئی معمولی سا سہی فرق تو ضرور ہوگا۔۔۔لیکن کیا؟؟

ابھی وہ انھیں سوچوں کے دلدل میں پھنسی ہوئی تھی کہ عینہ کی کان پھاڑ دینے والی آواز پر وہ چونکی!

"کیا ہے عینہ، کیوں چلا رہی ہو؟"

"آپی! امی کب سے آپ کو بلا رہی ہیں، آپ کن سوچوں میں گم ہیں؟"

"اچھا، میں نے سنا ہی نہیں۔" عنایہ نے جلدی سے اٹھتے ہوئے کہا اور امی کے پاس گئی۔ عارفہ بیگم بھی گویا اسی کی آمد کی منتظر تھی۔

"ہائے امی جی! یہ آنکھوں سے نکلتے آگ کے شعلے میرے ہی تعاقب میں کیوں ہیں۔"

"کب سے تمہیں آوازیں لگا رہی ہوں، مگر مجال ہے جو صاحب زادی کی سماعت سے کچھ ٹکرائے۔ چلو جلدی جلدی کاموں میں ہاتھ بٹاؤ، عید الاضحیٰ سر پر ہے اور کام بے تحاشہ ہیں۔"

عارفہ بیگم یہ کہہ کر پھر کاموں میں جُت گئیں اور عنایہ نے سوچا کہ اس سے پہلے کہ امی ڈنڈا لے کر حاضر ہوں، بہتر ہے کہ ابھی عشق و محبت کے اس مسئلہ کو لفافے میں بند کر کے دماغ کے گوشہ میں محفوظ رکھ دیا جائے، جس ذات نے ذہن میں سوال ڈالا ہے، وہ جواب بھی خود دلوادے گا۔ اس سوچ نے اسے قدرے مطمئن کر دیا اور وہ امی کے ساتھ کام کاج میں مصروف ہو گئی۔ جب وہ فراغت کے بعد تھکن سے چور، پسینے میں شرابور کمرے میں داخل ہوئی تو سامنے عینہ اداس سا چہرہ لیے بیٹھی ہوئی تھی۔

خاموشی بتا رہی تھی کہ اداسی گہری ہے، ورنہ عینہ چپ رہنے والوں میں سے نہیں تھی۔

عنایہ نے اس کی خاموشی محسوس کی تو اس کے پاس آ کر بیٹھ گئی اور اسی دوران عارفہ بیگم بھی آرام کی غرض سے کمرہ میں آئیں، جب انھوں نے اپنی چہچہاتی بیٹی کو اس قدر اداس دیکھا تو پوچھا کہ بات کیا ہے؟ آخر خاموشی کا راز فاش تو ہو۔۔

عینہ غم زدہ انداز میں کہنے لگی: "امی! ایسا کیوں ہوتا ہے کہ ہم عید سے کچھ وقت پہلے بکرا خریدتے ہیں اور جب اس سے اتنی اپنائیت اور مانوسیت ہو جاتی ہے اور وہ گھر کے ایک فرد کی طرح ضروری محسوس ہونے لگتا ہے تو ہم اسے عید کے دن ذبح کر دیتے ہیں۔ مجھے بہت دکھ ہوتا ہے اس کی قربانی ہو جانے پر۔۔۔ایسا کیوں ہوتا ہے امی؟"

قریب تھا کہ عینہ رو جائے۔

عینہ کو پہلی بار اتنا فکر مند دیکھ کر عارفہ بیگم سے رہا نہ گیا اور وہ اپنی ساری تھکن بھول کر اپنی بیٹی کو قربانی کی اصل حقیقت سے آگاہ کرنے لگیں اور عنایہ جو پاس ہی بیٹھی عینہ کی باتوں کو سُن رہی تھی، وہ ایک بار پھر سوچوں کے دریا میں غرق ہو گئی۔

"حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کیا کیا قربانیاں مانگی گئیں؟"

باپ کے تعلّق کی قربانی بخوشی پیش کر دی۔

علاقے اور قوم کے تعلّق کی قربانی وہ سب کو چھوڑ چھاڑ کر چل دیے۔

پھر اولاد کی خواہش دل میں پیدا ہوئی۔

ربُّ العالمین سے دعا کی

"رَبِّ هَبْ لِيْ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ"

دعا قبول کی گئی اور خوش خبری سے نوازا گیا

"فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِيْمٍ"

ابھی اسماعیل علیہ السلام شیر خوار ہی تھے کہ اللہ کی طرف سے حکم ملا کہ اپنی بیوی اور بچے کو لَق ودَق صحرا میں چھوڑ کر ہجرت کر جائیں۔

ایک عرصہ دراز کے بعد اولاد کی نعمت اور پھر اس سے دور ہو جانے کا حکم اپنے رب کی خاطر انھوں نے یہ قربانی بھی دے دی۔

پھر جب اسماعیل علیہ السلام چلنے پھرنے لگے تو حکم ملا کہ بیٹے کو ہی قربان کر دیں۔

ابھی عشق کے امتحاں اور بھی ہیں!! کیا کمالِ عشق تھا اپنے رب سے کہ پل بھر کو کچھ نہ سوچا اور وہ گوشۂ جگر جسے دعاؤں سے مانگا تھا، اسے قربان کرنے کو تیار ہو گئے۔

وہ رب دیکھنا چاہتا ہے کہ میرا بندہ میرے لیے کس حد تک قربانی دے سکتا ہے۔

اتنی قربانیاں تو ایک عاشق ہی دے سکتا ہے۔

شاید حضرت ابراہیم علیہ السلام کو عشق تھا اپنے رب سے۔

پھر یہ عشق ضرور محبت سے بڑھ کر کوئی شئ ہوتی ہو گی۔

عنایہ کو اپنے آدھے سے زیادہ سوال کا جواب عینہ کے سوال سے مل گیا تھا، بس اب واضح

فرق باقی تھا۔

کبھی کبھی بچوں کی باتیں آپ کے بہت سے سوالات کو حل کر دیتی ہیں۔

عنایہ جب سوچوں کے سفر سے واپس لوٹی تو عینہ امی سے پوچھ رہی تھی

"امی یہ عشق کیا ہوتا ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنے رب سے تھا؟"

"بیٹا! آپ کو پتا ہے عشق میں انسان کو اپنی فکر نہیں رہتی، بس اپنے معشوق کا خیال رہتا ہے۔ اس کی پسند اپنی پسند، اس کا حکم سر آنکھوں پر اور اس کے آگے سر تسلیم خم کرنا ہی اصل عشق ہے۔ حضرت ابراہیمؑ کو اپنے اللہ سے بے پناہ عشق تھا تبھی تو اپنے بیٹے کو قربان کرنے کے لیے تیار ہو گئے۔"

"پھر اللہ نے بھی ان کے عشق کی لاج رکھی اور حضرت اسماعیلؑ کو قربان نہیں ہونے دیا۔ ہے ناں امی۔۔؟"

"جی میری جان! ایسا ہی ہوا، وہ رب قربانی مانگتا ہے، لیتا نہیں ہے۔"

"اور محبت کیا ہے امی؟" اب سوال کرنے کی باری عنایہ کی تھی۔

"بیٹا! محبت و عشق میں بس تھوڑا ہی فرق ہے۔

محبت میں انسان کو اپنی ذات کا بھی خیال رہتا ہے۔"

"نہیں امی! مجھے ایسا لگتا ہے محبت و عشق میں بہت بڑا فرق ہے،

خالق اور مخلوق کا فرق!!!" عنایہ نے کافی سوچ کر جواب دیا۔

"کیا مطلب بیٹا؟"

عنایہ کی اس بات پر عارفہ بیگم قدرے حیران ہوئیں۔

"امی!!!! محبت تو انسان کو کسی سے بھی ہو سکتی ہے پر عشق۔۔۔

یہ لفظ تو خالق ہی کے لیے بنا ہے،

وہ عشق جس میں اپنا خیال نہ رہے،

وہ عشق جس میں سب کچھ یہاں تک کہ اپنی ذات کو بھی فنا کرنے کو دل چاہے۔ میرے خیال میں ایسا عشق تو صرف خالق کے لیے ہی جچتا ہے۔

لافانی ذات کے لیے فنا ہونے والی ہر شے کو فنا کر دینا، یہ عشق نہیں تو اور کیا ہے۔

"محبت انسان سے اور عشق خالق سے۔"

عنایہ کے نظریہ کے مطابق محبت اور عشق میں یہ فرق ہونا چاہیے۔

آپ کی کیا رائے ہے؟

ہمیں اپنے رب سے محبت ہے یا عشق۔۔۔

اس کے لیے ہم اپنی ہر خواہش کو قربان کر دیتے ہیں یا اپنی خواہشات کا بھی خیال رہتا ہے؟؟

بقیہ

تلاش کرنے والوں کی تلاش

"پھر میں مدرسے فون کر دوں؟" امی نے پوچھا۔

ابو کے اثبات میں سر ہلا، وہ فون کرنے لگیں۔ ابو اب اپنی دکان جانے کے لیے تیار ہو رہے تھے۔ جب وہ باتھ روم سے نکلے تو امی موبائل ہاتھ میں پکڑی گم صم بیٹھیں تھیں۔

"کیا ہوا؟" ابو نے تعجب سے پوچھا۔

امی کا انداز کسی انہونی کی طرف اشارہ کر رہا تھا۔

"وہ وہ۔۔۔" امی بول نہیں پا رہی تھیں۔

"کیا ہو گیا؟" ابو جھنجھلائے۔

"وہ میں نے استاد صاحب کو فون کیا تھا تو وہ کہنے لگے کہ آج آپ نے چھٹی کیوں کروائی؟"

"ہیں۔۔۔؟" ابو حیران ہو کر بولے، کہیں جنید تو۔۔۔ ابو کی بات ادھوری رہ گئی۔

"وہی تو میں کہہ رہی ہوں۔" امی تڑپ کر بولیں۔ "وہ تو گیا ہوا ہے، لیکن مدرسے نہیں پہنچا۔" امی کی آواز بھرا گئی۔

"کیا!" ابو چلا اٹھے۔ "آخر وہ کہاں چلا گیا؟"

"پتا نہیں۔" امی بے آواز آنسو بہا رہی تھیں۔ ابو نے جلدی سے گاڑی کی چابی اور موبائل اٹھایا اور باہر کی طرف دوڑے۔

مدرسے پہنچ کر تصدیق بھی ہو گئی تھی آج جنید مدرسے نہیں آیا تھا۔

"لیکن وہ تو۔۔۔" ابو اپنی بات مکمل نہیں کر پا رہے تھے۔

مدرسے کے قاری صاحب ترحّم بھرے انداز میں ان کو دیکھ رہے تھے۔

میں مسجد میں جا کر اعلان کرا دیتا ہوں، آپ اور جگہوں پر تلاش کریں۔ ایک طرف مسجد میں اعلان ہو رہا تھا، دوسری طرف اتفاق سے جنید میاں کی دادی کا فون گیا، امی نے ساری صورتِ حال ان کو بتائی، پھر خود برقع اوڑھ کر گھر سے نکلیں۔ پہلے برابر میں ذیشان اور حماد کے گھر جا کر پوچھا۔ حماد اور زیشان کے والد بھی جنید کو ڈھونے نکل گئے، پھر ان کو نانی کا خیال آیا۔

نانی جان کے گھر میں جنید کو مزے سے ساتھی رسالہ پڑھتا دیکھ کر وہ ہکا بکا رہ گئیں۔

"ارے نورین! تم تو مجھے فون کر دیتی۔" وہ امی سے شکایتی انداز میں بولیں۔

"وہ اصل میں۔۔۔" امی خود بہت شرمندہ ہو رہی تھیں۔

"اصل میں جنید نے مجھ سے کہا کہ آج مدرسے کی چھٹی ہے تو میں نے سوچا آپ کو پتا ہو گا۔"

"تم گھر چلو، میں گھر چل کر تمہیں بتاتی ہوں۔" امی نے غصیلے انداز میں جنید سے کہا اور جنید کو گھر لے گئیں۔

جنید تو مل گیا، اب ان لوگوں کی تلاش جاری تھی جو جنید کی تلاش میں بھاگ دوڑ کر رہے تھے۔ اس کے ابو، چاچا، ذیشان اور حماد کے والد، محلے کے دوسرے لوگ اور مسجد سے مسلسل اعلان نشر ہو رہا تھا، جس کو سُن کر لوگ گھر میں آ کر پوچھ رہے تھے اور امی سب کو بتا بتا کر روہانسی ہو رہی تھیں کہ بچہ مل چکا ہے!!!

عالمی ادارہ بیت السلام ویلفیئر ٹرسٹ

بحال پاکستان

آو کریں پھر سے آباد پیارے وطن کو۔!

مکانات، اسکولوں کی تعمیر اور روزگار کی فراہمی

ممبرشپ

ماہانہ 1000 روپے

سالانہ 12,000 روپے

Overseas donors

MONTHLY $ 10

YEARLY $ 120

ایک بڑا منصوبہ

ادائیگی کے 2 طریقے

1.

بیت السلام کے دفاتر میں ادائیگی

2.

تمام نئے ممبران کو 99911 سے ہر ماہ ایک پیمنٹ لنک کے ساتھ ایک SMS بھی موصول ہوگا، اگر پہلے ہی ادائیگی کر دی گئی ہو تو اسے نظر انداز کر دیا جائے۔ پے فاسٹ کے ذریعہ ادائیگی کے درج ذیل طریقے دستیاب ہیں۔

موبائل والیٹ: easypaisa, Upaisa, ZINDIGI

کارڈز: VISA, PayPak

کسی بھی اے ٹی ایم جس میں 1LINK و دستیاب ہو / بینک / موبائل اور انٹرنیٹ بینکنگ / RAAST سے ادائیگی کی جاسکتی ہے۔

بینک میں ڈائریکٹ ڈیبٹ کی سہولت دستیاب ہے

اے ٹی ایم کے لیے

ATM مشین میں کارڈ اور پن نمبر ڈالنے کے بعد اس تسلسل سے آپشنز پر کلک کریں
bill payment >1bill Voucher / Invoice Payments>
99911 سے موصول شدہ واؤچر نمبر کا اندراج کر کے ادائیگی مکمل کریں

کسی بھی 1LINK سے چلنے والے بینک یا RAAST پر جائیں، نمائندے کو بتائیں کہ آپ بیت السلام کو 1Bill واؤچر کے ذریعے ادائیگی کرنا چاہتے ہیں، 99911 کے ذریعے موصول ہونے والا واؤچر فراہم کریں، کیش فراہم کریں اور رسید لیں

موبائل اور انٹرنیٹ بینکنگ صارفین

اپنے اکاؤنٹ میں لاگ ان کریں، بل کی ادائیگی پر جائیں 1Bill کا انتخاب کریں، 99911 کے ذریعے موصول ہونے والے واؤچر کو داخل کریں۔

Baitussalam USA بیت السلام

PayPal

PayPal.me/BaitussalamUSA

Zelle

donation@baitussalamusa.org

رجسٹریشن کے 4 طریقے

- بیت السلام کے دفاتر
- بیت السلام موبائل ایپ
- بیت السلام ویب سائٹ
- 111 اور اپنا نام لکھ کر 83833 پر بھیجیں مثلاً 111 TALHA

شاعرِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

بنت تاجور

آج آپ کو ایک تاریخی منظر دیکھاتے ہیں۔ ذرا دیکھئے تو کہ جس عظیم المرتبت ہستی کو سات سال پہلے رات کی تاریکی میں کفّار و مشرکین نے ہجرت پر مجبور کیا، جلیل القدر شخصیت، امام الانبیا، تاج دارِ مدینہ، خاتم النبیین حضور رسالت مآب ﷺ اپنے سر فروش جاں نثار ساتھیوں کے عظیم الشّان لشکر کے ساتھ اونٹنی پر ایک شانِ بے نیازی کے ساتھ تشریف فرما کر "عمرۂ قضا" (صلح حدیبیہ کی وجہ سے اس سال عمرہ کیے بغیر واپس جانے پر اگلے سال اسی عمرہ کو ادا کیا گیا، جس کا نام عمرۃ القضا ہو گیا، چوں کہ حدیبیہ کے صلح نامہ میں ایک شق یہ بھی تھی کہ آیندہ سال حضور ﷺ مکہ آ کر عمرہ ادا کریں گے اور تین دن مکہ میں ٹھہریں گے) کی ادائی کے لیے مکّہ مکرّمہ میں جلوہ افروز ہو رہے ہیں اور جو کل اُن کے خون کے پیاسے تھے، آج قطار لگائے اُن کے استقبال کے لیے کھڑے ہیں۔ جلوس میں سب سے آگے شاعرِ اسلام، اپنی تلوار لیے، آقا و مولیٰ محمد رسول اللہ ﷺ کی قصواء (اونٹنی) کی مہار تھامے، عشقِ مصطفیٰ ﷺ سے سرشار، بڑے جوش و جذبے کے ساتھ رجزیہ اشعار سے (ذاتی، خاندانی یا قومی فخر پر مشتمل شعر وغیرہ جو میدانِ جنگ میں حریف کو مرعوب کرنے یا رفیقوں کا حوصلہ بڑھانے کے لیے پڑھے جائیں) کفّارِ مکّہ کے دِلوں کو چھلنی کر رہے ہیں۔

ان اشعار کا ترجمہ: "اے کفّار کے لوگو! اِن کے راستے میں نہ آنا کہ ساری بھلائی ان ہی میں ہے، آج ہم اِن کی تشریف آوری پر تمھیں ایسی مار ماریں گے کہ تمھاری کھوپڑی اپنی جگہ سے الگ ہو جائے گی اور دوست کو دوست سے بے خبر کر دے گی۔"

سیّدنا عُمرِ فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اُنھیں یہ شعر کہنے سے منع کیا۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عُمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا "اے ابنِ رواحہ (رضی اللہ عنہ)! تم رسول اللہ ﷺ کے سامنے اور اللہ کے حرم میں اشعار کہہ رہے ہو؟" اس موقعے پر پیارے نبی ﷺ نے فرمایا: "اے عُمر! اِنھیں اپنا کام کرنے دو، کیوں کہ ابنِ رواحہ (رضی اللہ عنہ) کے یہ اشعار، کفّار کے لیے تیر کی مار سے بھی زیادہ تیز ہیں۔" (ترمذی)

نبی کریم ﷺ کے ان ارشادات نے تو گویا ابنِ رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جسم میں جوش و جذبات کی بجلی دوڑا دی اور پھر وہ مزید ولولہ انگیز اشعار پڑھنے لگے۔

یہ اپنے قبیلے کے سردار تھے اور اُنھوں نے بیعتِ عقبہ اولیٰ کے بعد ہی حضرت مصعب بن عُمیر رضی اللہ عنہ کی یثرب میں تبلیغِ اسلام کے نتیجے میں دعوتِ حق قبول کر لی تھی۔ آپ لکھنا پڑھنا جانتے تھے اور قادر الکلام شاعر بھی تھے۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پُر جوش، ولولہ انگیز شاعری میں اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے۔ آپ کا لقب شاعرِ رسول ﷺ ہے۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کُنیت، ابو محمّد، ابو رواحہ اور ابو عمرو ہے۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مدینے کے مشہور قبیلے "بنو خزرج" کی شاخ بنی حارث سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان بارہ نقیبوں (نقب کی جمع، محافظ و نگران، قبیلہ کا ذمہ دار سردار) میں سے ایک تھے، جنھوں نے حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پیارے نبی ﷺ سے بیعت کی اور اسلام قبول کیا۔ نبوّت کے تیرہویں سال حج کے بعد، حضرت محمد ﷺ نے یثرب سے آئے ہوئے مسلمانوں سے بیعتِ عقبہ ثانی فرمائی۔ تکمیلِ بیعت کے بعد پیارے نبی ﷺ نے تجویز دی کہ بارہ سربراہ منتخب کر لیے جائیں، جو اپنی اپنی قوم کے نقیب ہوں اور اپنی قوم کی طرف سے بیعت کی دفعات پر عمل درآمد کے ذمّے دار اور مکلّف ہوں، چناں چہ آپ ﷺ کے ارشاد کے مطابق، قبیلہ خزرج سے نو اور قبیلہ اوس سے تین نقبا منتخب کر کے نام پیارے نبی ﷺ کی خدمت میں پیش کر دیے گئے، جن کی آپ ﷺ نے منظوری دی۔ خزرج کے نو نقبا میں حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ بھی تھے۔

سرکارِ دو عالم ﷺ جب ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لائے تو آپ ﷺ کے استقبال کے لیے مختلف قبائل کے سربراہان کے ساتھ، حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی موجود تھے، جو اپنے خُوب صورت استقبالیہ اشعار کے ذریعے مہمانوں پر عقیدت کے پھول نچھاور کر رہے تھے۔ دیگر رؤسائے شہر کی طرح، حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بھی شدید خواہش تھی کہ اللہ کے محبوب ﷺ کی شرفِ میزبانی کا اعزاز اُنھیں حاصل ہو، لیکن یہ اعزاز تو حضرت ابو ایّوب انصاری رضی اللہ عنہ کے مقدّر میں لکھا جا چُکا تھا۔

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ چوں کہ لکھنا پڑھنا جانتے تھے، اس لیے اکثر وحی کی کتابت بھی کر لیا کرتے تھے۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تقریباً سبھی غزوات میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ ہمہ وقت تیار رہتے۔ جنگوں میں جانے کے لیے آپ کا جذبۂ ایمانی دیدنی ہوتا، آپ سب سے پہلے نکلتے اور سب سے آخر میں لوٹتے تھے۔

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جنگ میں دشمنوں پر تیر برسانے کے ساتھ ساتھ اشعار کی گولہ باری بھی کیا کرتے تھے۔ غزوۂ احزاب میں خندق کھودتے ہوئے پیارے رسول اللہ ﷺ خود مٹی اٹھا رہے تھے، یہاں تک کہ سینۂ مبارک کے بال مٹی سے اَٹ گئے تھے۔ اس وقت آپ ﷺ، حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے یہ اشعار پڑھ رہے تھے، جن کا ترجمہ یہ ہے:

"اے اللہ! اگر تیری ہدایت نہ ہوتی تو ہم کبھی سیدھا راستہ نہ پاتے، نہ صدقہ کر سکتے اور نہ نماز پڑھتے۔ اب تُو یا اللہ! ہمارے دلوں کو سکون اور اطمینان عطا فرما اور اگر دشمنوں سے مقابلہ ہو تو ہمیں ثابت قدم رکھ، دشمنوں نے ہمارے اوپر زیادتی کی ہے، جب بھی وہ ہم کو فتنہ فساد میں مبتلا کرنا چاہتے ہیں تو ہم انکار کرتے ہیں۔"

پیارے نبی حضرت محمد ﷺ نے حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کئی مرتبہ جنگ کے لشکر کی سربراہی عطا فرمائی۔ جنگِ موتہ میں پیارے نبی ﷺ لشکر کو الوَداع کہنے تشریف لائے تو حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ رونے لگے۔ اس کے بعد آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے چند اشعار پڑھے اور لشکر روانہ ہوا۔

جمادی الاولیٰ سنہ 8 ہجری میں جنگِ موتہ لڑی گئی۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس جنگ میں سالار تھے۔ خوب جم کر لڑے اور جامِ شہادت نوش فرمایا۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وقتِ شہادت خون کو اپنے چہرے پر ملا اور زبان پر یہ کلمات جاری تھے۔ "اے مسلمانو! اپنے بھائیوں کی جان کی حفاظت کرو۔"

نوٹوں کا درخت

ط مہوش اسد شیخ

آخری قسط

”اماں مجھے لگتا ہے اب یہاں رہنا ٹھیک نہیں، کسی روز رات اندھیرے میں نکل چلتے ہیں۔“ ”کدھر جائیں گے؟“ کمزور لہجے میں پوچھا گیا۔

”شہر میں اپنی اماں کے لیے پکا مکان لوں گا۔“ گڈو نے محبت پاش لہجے میں کہا۔

”اپنا گاؤں چھوڑ کر کیسے جائیں گے؟“ ”بس اماں جذباتی ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس گائوں میں ہمارا کوئی نہیں۔“ گڈو نے ماں کی بات کاٹی۔ ”لیکن گڈوا نہیں ہماری ضرورت ہے۔ اللہ پاک نے تجھے یہ دولت انہی کے لیے دی ہے۔“ اماں نے رسائیت سے سمجھانا چاہا۔

”یہ دولت ان کے لیے نہیں ہے، یہ میرے رب نے مجھے میرے صبر کا انعام دیا ہے، یہ میرا ظرف ہے کہ میں گاوئں والوں کی مدد کرتا رہا لیکن اب مجھے اپنے بارے میں بھی سوچنا ہے۔ آخر کب تک اس حلیہ میں پھرتا رہوں گا، کب تک اس بوسیدہ گھر میں رہوں؟“ گڈو نے کچے مکان اور اپنے حلیہ پر نفرت بھری نگاہ ڈالی۔ ”اماں تمہاری دوا کا وقت ہو گیا ہے، تم بیٹھو میں دوا لاتا ہوں۔“ اماں نے مزید کچھ کہنے کو لب کھولے ہی تھے کہ گڈو کہہ کر باہر نکل گیا۔

وہ آنکھوں میں نمی لیے بیٹھی رہ گئی۔

”چودھری صاحب لڑکے کو کہیں آتے جاتے نہیں دیکھا، دولت کہاں سے آرہی ہے۔“ شبیرے نے سر کھجاتے ہوئے کہا۔

”لڑکا ضرور کسی غلط کام میں لگ گیا ہے۔ میرا خیال ہے، اب ہمیں پولیس کو اطلاع دے دینی چاہیے کہ اس کی جاسوسی ہمارے بس کا روگ نہیں۔“ چودھری صاحب نے خیال ظاہر کیا۔

”جی چودھری صاحب جیسے آپ کا حکم!“ شبیر اسعادت مندی سے سر ہلاتا ہوا تھانے کی طرف بھاگا۔

”دیکھ گڈو تو ٹھیک نہیں کر رہا۔ اللہ کی دی دولت سے اس کی مخلوق کی مدد کرنے میں تیرا کوئی کمال نہیں۔ یہ زمین میں دبانے کی شے نہیں۔ سلمیٰ بیمار ہے، کسی موذی مرض نے گھیر لیا ہے اسے، جا یہ سارے پیسے اس کے گھر ڈال آ، تا کہ وہ شہر سے اپنا علاج کروا سکے۔“

”بس کردے اماں! میرا دماغ خراب نہ کر۔ پہلے ہی درخت کا پھل کم ہوتا جارہا ہے اوپر سے یہ تیری ہر وقت کی چخ چخ“ گڈو چلا اٹھا۔

”پھل، گرہ لگا لگا کر رکھنے کی وجہ سے کم ہو رہا ہے، جب تک بانٹ رہا تھا، پھل روز بروز بڑھ رہا تھا۔ اللہ کی راہ میں ایک روپیہ دو تو وہ دس روپے لوٹاتا ہے۔ میں کہتی ہوں ابھی بھی سنبھل جا میرے لعل!“ اماں نے ایک بار پھر سمجھانے کی سعی کی۔

”تجھے بتا کر پھنس گیا ہوں، جان عذاب کر ڈالی ہے تو نے۔ کان پک گئے تیرے واعظ سن سن۔“ گڈو نے کھودے ہوئے گڑھے پر مٹی ڈالنی شروع کر دی۔

دروازے پر زوردار دستک ہوئی۔ دونوں نے چونک کر دروازے کی طرف دیکھا پھر ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔

”اس وقت کون ہو سکتا ہے؟“ گڈو نے سرگوشی کی۔

”ہو سکتا ہے پروین دودھ لائی ہو۔“ اماں نے اندازہ لگایا۔

”نہیں۔۔! وہ سات بجے آتی ہے۔ تو اندر چل میں دیکھتا ہوں۔“ گڈو کہہ کر کچھ آگے بڑھا۔

دروازہ مسلسل بج رہا تھا۔

”کون ہے؟“ دروازہ کھول نہیں تو توڑ ڈالیں گے۔“ کسی اجنبی گرجدار آواز سنائی دی تھی۔

تھوک نگل کر حلق تر کرتے ہوئے گڈو نے دروازہ کھول ہی دیا۔ پولیس کی وردی میں ملبوس مسلح دو افراد اندر داخل ہوئے اور دو باہر ہی کھڑے رہے۔ گڈو کی آنکھیں سراپا سوال تھیں۔ ”ہاں بھئی چھوٹے بتا کس کے لیے کام کر رہا ہے آج کل۔“ تھانے دار نے اندر آ کر کھا جانے والے لہجے میں پوچھا۔

”کک۔۔ک۔۔کیا۔۔مط۔۔مطلب۔۔ہے۔۔؟“ مارے خوف کے وہ ہکلانے لگا۔

”مطلب یہاں سمجھائیں یا تھانے چل کر اچھی طرح سمجھنا چاہتا ہے؟“ غضب ناک انداز میں گھورتے ہوئے سوال ہوا۔ گڈو کا خون خشک ہوئے جارہا تھا۔

”دولت کدھر ہے ساری؟“ قریب آ کر پوچھا گیا۔

”کون سی دولت؟“ گڈو نے ہمت مجتمع کرتے ہوئے کہا۔

”یہ ایسے نہیں بتانے والا، تم اسے تھانے لے چلو اور تم دونوں تلاشی لو۔“ ایک سپاہی کو گڈو کو گرفتار کرنے اور باہر کھڑے سپاہیوں کو گھر کی تلاشی لینے کا اشارہ ملا۔

دو منٹ بعد ہی سب آدھ بند گڑھے کے دہانے پر کھڑے تھے۔ مٹی ہٹا کر جو دیکھا تو سپاہیوں نے انگلیاں دانتوں میں دبالیں، خود تھانے دار بھی اس دولت کو پھٹی پھٹی نگاہوں سے دیکھنے لگا۔ ”قبضے میں لے لو یہ سارا پیسہ اور اس لڑکے کو گرفتار کرلو۔ باقی باتیں تھانے میں ہوں گی۔“ تھانے دار اپنے سپاہیوں کو اگلا حکم صادر کرتے ہوئے دروازے سے باہر نکل گیا۔ ”میرے بیٹے نے کچھ نہیں کیا، چھوڑ دو اسے۔“ اماں شور سن کر باہر نکل آئی تھی۔ اماں کو پرے دھکیل کر سپاہی حکم کی پیروی کرتے ہوئے باہر نکل گئے۔ اماں دروازے سے لپٹی روئے جارہی تھی۔ سارا محلّہ اکٹھا ہو چکا تھا۔ پروین اور شگفتہ نے آگے بڑھ کر اماں کو تسلی دینا چاہی۔

بتاتا ہوں۔۔ بتاتا ہوں۔۔ مزید سختی سہ نہ پایا تو جان بچانے کو نوٹوں کے درخت کا راز افشا کرنے کو آمادہ ہو گیا۔ ”بول کس گینگ کے ساتھ کام کرتا ہے، کب سے کر رہا ہے، کہاں سے آیا ہے یہ پیسہ؟“ تھانے دار نے ہاتھ روک کر گرجتے ہوئے پوچھا۔ ”نوٹ۔۔ نوٹوں کا۔۔ در۔۔ درخت ہے میرے آنگن میں۔“ اکھڑی سانسوں کے درمیان بمشکل کہہ پایا۔

”مذاق ہو رہا ہے کیا یہاں؟“ زوردار چوٹ اس کی ٹانگوں پر لگاتے ہوئے تھانے دار چیخا تھا۔

”میں سچ کہہ رہا ہوں۔ بے شک فجر کے وقت میرے گھر جا کر دیکھ لینا۔“

نیم وا آنکھوں سے تھانے دار کی طرف دیکھا۔ ”بکواس بند کر۔۔ سچ بتا۔“ وہ ایک بار پھر چلایا۔ ”سر جی مر مرا ہی نہ جائے۔ اس کی ماں سے ملاقات کرتے ہیں، شاید وہ کچھ جانتی ہو۔“ ایک سپاہی نے سہمے ہوئے انداز میں مشورے سے نوازا۔

”ہونہہ۔۔!“ مشورہ تھانے دار کو معقول لگا۔ ”ماں جی! ۔ ملاقات کرنی ہے۔“ سپاہی آواز دے کر صحن میں آ کھڑا ہوا۔ درخت تلے بچھی چارپائی پر اماں بیٹھی رو رہی تھی تین چار عورتیں تسلی دینے کی ناکام کوشش کر رہی تھیں۔

سپاہی کو دیکھ کر سب نے منہ لپیٹے اپنے اپنے گھر کی راہ لی۔ سپاہی اماں کے قریب آ کھڑا ہوا۔

”ماں جی آپ کا بیٹا کب سے اس گینگ کے ساتھ کام کر رہا ہے؟“ سپاہی نے اندھیرے میں تیر چلایا۔

”کس گینگ کے ساتھ؟ میرا بیٹا کوئی غلط کام نہیں کرتا۔“ وہ سارا پیسہ اس درخت سے اتارا ہے۔“ اماں ہذیانی انداز میں چیخی۔

یہاں سے بھی درخت کا ذکر سن کر سپاہی تذبذب کا شکار ہوا۔ وہ چھوٹے سے درخت کے قریب جا کر اس کا جائزہ لینے لگا۔ واپس جا کر اطلاع دی۔ صبح فجر کے وقت چھاپہ مارا گیا۔ درخت پر صرف ایک پچاس کا نوٹ دکھائی دے رہا تھا۔

بقیہ صفحہ نمبر 35 پر

جُنید امِین

Your Trusted Friend in Real Estate

Sale - Purchase - Rent

22-C, Khyaban e Jami near Baitussalam Masjid Phase IV, D. H. A. Karachi
02135313254 , 02135313319 , 03009213373 Email: junaidameen@live.com

حضرت ادریس علیہ السّلام اللہ تعالیٰ کے سچے نبی تھے۔ اللہ پاک نے انھیں ظاہر کی خوب صورتی کے ساتھ باطن کا حسن بھی عطا کیا تھا۔ حضرت ادریس علیہ السّلام حضرت نوح علیہ السّلام سے ایک ہزار سال پہلے پیدا ہوئے۔ آپ علیہ السّلام سب کی آنکھوں کا تارا بن گئے، جو دیکھتا وہ آپ علیہ السّلام کو پیار کیے بغیر نہ رہتا۔ آپ علیہ السّلام بچپن ہی سے سب کو پیارے تھے۔ آپ علیہ السّلام کا رنگ مبارک گندمی تھا۔ آپ علیہ السّلام کی آنکھیں بہت چمک دار تھیں، جیسے جیسے آپ علیہ السّلام بڑے ہوتے گئے، آپ علیہ السّلام کو گفتگو کے آداب آتے گئے۔ طبیعت کے خاموش پسند تھے۔ غور و فکر کرنے کی عادت بچپن ہی سے تھی۔ آپ علیہ السّلام بچپن ہی سے ذہین تھے۔ باتیں جب کرتے تو شہادت کی انگلی سے بار بار اشارہ فرماتے۔ اپنے والدین کے بہت فرماں بردار تھے۔ حضرت ادریس علیہ السّلام سے پہلے عموماً جانوروں کی کھال کا لباس تیار ہوتا تھا اور سب انسان وہ لباس پہنتے تھے۔ انھوں نے پہلی بار کپڑا سینا ایجاد کیا، پھر لوگوں نے لباس سینے شروع کیے۔

حضرت ادریس علیہ السّلام کے زمانے تک ناپ تول کا کوئی طریقہ نہیں تھا۔ فاسق حضرات اس بات کا غلط فائدہ اٹھاتے اور معصوم لوگوں سے دُگنے پیسے وصول کرتے۔ حضرت ادریس علیہ السّلام نے باقاعدہ ناپ تول کا طریقہ ایجاد کیا، جس سے معاشرے میں بے ایمانی ختم ہوئی۔ لوگ مطمئن ہو کر خریداری کرتے۔ حضرت ادریس علیہ السّلام جب جوان ہوئے تو اللہ پاک نے انھیں نبوت سے سرفراز کیا، تب انھوں نے جھوٹے، عیار اور مکّار لوگوں کو راہِ ہدایت پر لانے کی تبلیغ کی۔ منکروں نے آپ علیہ السّلام کے دین کی مخالفت کی، مگر آپ علیہ السّلام نے کوششیں جاری رکھیں۔ اس دوران قلم سے لکھنے کا فن بھی آپ علیہ السّلام نے متعارف کروایا۔ کاروباری، مذہبی اور سماجی اُمور میں لکھنے کے فن نے آسانی کر دی۔ اب ہر بات حافظے سے زیادہ لکھ کر محفوظ کی جانے لگی۔

حضرت ادریس علیہ السّلام کو ایک چھوٹی سی جماعت ماننے لگی۔ یہ لوگ بابل میں رہتے تھے۔ بابل سرسبز و شاداب علاقہ تھا۔ دجلہ اور فرات کی نہریں اس شہر کے آس پاس بہتی تھیں۔ یہ عراق کا مشہور شہر تھا۔ حضرت ادریس علیہ السّلام کے منکر دشمنوں نے انھیں تنگ کیا اور طرح طرح کے ظلم ڈھائے۔ حضرت ادریس علیہ السّلام نے اپنی جماعت کو ہجرت کا حکم دیا تو انھیں اپنا علاقہ چھوڑنے کا افسوس ہونے لگا۔ اس موقع پر حضرت ادریس علیہ السّلام نے لوگوں کو تسلی دی۔

"اللہ پاک کی راہ میں تکلیف اٹھاؤ، اللہ رحیم ہے، وہ بدل ضرور عطا کرے گا، ہمت کرو اللہ کے حکم کے آگے سر جھکاؤ۔"

جب آپ علیہ السّلام کی جماعت راضی ہو گئی تو حضرت ادریس علیہ السّلام مصر کی جانب روانہ ہو گئے۔ حضرت ادریس علیہ السّلام نے رودِ نیل کی سرزمین کی شادابی دیکھی اور وہاں قیام کیا، سب اس جگہ کو دیکھ کر خوش ہو گئے، پھر حضرت ادریس علیہ السّلام نے فرمایا۔

"بابلیو! یہ تمہارے بابل کی طرح شاداب جگہ ہے، یہاں ٹھہر جاؤ۔ اس میں تمہاری فلاح ہے۔"

حضرت ادریس علیہ السّلام نے مصر میں بھی اللہ کے احکام جاری کرنے شروع کر دیے۔ حضرت ادریس علیہ السّلام ہر قسم کی زبان بھی جانتے تھے اور یہاں لوگ بھی مختلف زبانوں والے تھے۔ آپ علیہ السّلام ہر ایک کو اس کی زبان میں دینِ الٰہی کے علاوہ سیاست اور شہری زندگی کے قوانین سکھاتے۔

حضرت ادریس علیہ السّلام کا نام اخنوع یا خنوون ہے، مگر لوگوں کو پڑھانے کی وجہ سے آپ علیہ السّلام کا نام ادریس مشہور ہو گیا۔ ادریس کا مطلب سکھانے والا ہے۔ حضرت ادریس علیہ السّلام پر تیس صحیفے نازل ہوئے۔ آپ بہتر زبانوں کے ماہر تھے۔ آپ علیہ السّلام کے بہت سے نصیحت آمیز جملے مشہور ہوئے جو مختلف زبانوں میں ضرب المثل ہیں۔ آپ لوگوں کو تعلیم دیتے:

"اللہ کو خلوصِ نیت سے یاد کرو اور جھوٹی قسم مت کھاؤ اور شریعت کے پابند بادشاہ کی اطاعت کرو۔ اپنے بڑوں کا احترام کرو، ہر وقت اپنی زبان کو حمدِ الٰہی سے تر رکھو۔ دوسروں کی عیش و خوشی پر حسد نہ کرو۔"

بنو قابیل کے لوگوں نے آپ علیہ السّلام اور ان کے ماننے والوں پر ظلم کیے۔ آپ نے ان کے مقابلے کے لیے اسلحہ سازی بھی کی اور بہترین حکمتِ عملی سے جنگ کر کے انھیں شکست دی۔ علومِ نجوم اور علمِ حساب کے مُوجِد بھی آپ علیہ السّلام ہیں۔ وعظ و خطاب کا آغاز بھی آپ علیہ السّلام سے ہوا۔ ایک روز اللہ پاک سے اجازت لے کر آپ علیہ السّلام کے دیدار کے لیے ایک فرشتہ آسمان سے اُترا۔ آپ علیہ السّلام کو وہ آسمان کی سیر کے لیے اپنی پشت پر بٹھا کر لے گیا۔ چوتھے آسمان پر آپ علیہ السّلام آن بھی پہنچے تھے۔ اللہ کے حکم سے آپ کی روح وہاں قبض کر لی گئی۔

قلم سے لکھنا، سینا، پرونا، ناپ تول، اسلحہ سازی، علمِ نجوم اور علمِ حساب کے مُوجِدِ اوّل حضرت ادریس علیہ السّلام اللہ کے صدیق نبی تھے۔ ان کا بلند مرتبہ رہا۔ شبِ معراج کے موقع پر چوتھے آسمان پر حضرت محمد ﷺ کی بالمشافہ آپ علیہ السّلام سے ملاقات ہوئی۔

مشکل الفاظ و معنی

فرماں بردار:	بات ماننے والے	فاسق:	جھوٹے
حمدِ الٰہی:	اللہ کی تعریف	سرفراز:	دینا
منکروں:	انکار کرنے والے	شاداب:	تازہ
عموماً:	عام طور پر	فلاح:	بھلائی
بابلیو:	بابل کے رہنے والے	غور و فکر:	سوچ بچار
علمِ نجوم:	ستاروں کا علم	صدیق:	سچے
مُوجِد:	ایجاد کرنے والا		

بقیہ

نوٹوں کا درخت

سب انگشت بدنداں تھے، پولیس والے نوٹوں والے درخت کو حیران سے دیکھ رہے تھے، اماں صرف ایک نوٹ دیکھ کر پریشان ہو گئی تھیں۔ پولیس والوں نے دولت ہڑپ کر کے گڈو کو اگلے روز دہائی دے دی تھی۔ وہ تو درخت پر بھی قبضہ کرنے کا سوچ رہے تھے مگر اللہ کی کرنی،

درخت سوکھ کر ختم ہو گیا۔

وہ درخت اللہ نے تیری آزمائش کے لیے اگایا تھا، جب تک تو سیدھی راہ چل رہا تھا، تیرا ہاتھ کھلا تھا، درخت بھی خوب پھل دیئے جا رہا تھا جیسے ہی تو نے ہاتھ تنگ کیا، درخت کا پھل بھی کم ہونے لگا اور یہ تیرے لالچ کی سزا ہے کہ تو آج خالی ہاتھ بیٹھا ہے۔ تجھے تو اب بھی رب کا شکر ادا کرنا چاہیے کہ اس نے ایک نوٹ اگا دیا، تجھے رہائی کا پروانہ مل گیا۔ ورنہ تجھے تو انہوں نے مار مار کر جان سے ہی مار ڈالنا تھا۔ اماں رندھی ہوئی آواز میں بول رہی تھی اور گڈو سر جھکائے بیٹھا تھا، ندامت کے آنسو اس کے رخساروں پر بہہ بہہ کر دامن بھگوئے جا رہے تھے۔

بینو دونوں بھیڑیوں کو دیکھ کر خوف سے گنگ رہ گئی۔ وہ دونوں اس کے گرد گھوم رہے تھے اور کسی بھی پل اس پہ ٹوٹ پڑنے والے تھے۔ ان کی وحشت ناک غراہٹیں اور نوکیلے دانت دیکھ کر بینو کا خون خشک ہو گیا تھا۔

فضا میں اچانک ارتعاش پیدا ہوا۔ ایک شیر زور سے دھاڑا تھا۔ وقتی طور پر دونوں بھیڑیوں کی توجہ بینو سے ہٹ گئی۔ بینو اس موقعے کا فایدہ اٹھا کر برق رفتاری سے زمین سے اٹھی اور اندھا دھند مخالف سمت بھاگ گئی۔

"ارے پکڑو اسے، بچ کر جانے نہ پائے۔" بینو کو وہاں سے غائب دیکھ کر کالا بھیڑیا غرا کر بولا اور سامنے کی طرف دوڑ گیا۔ بھورا بھیڑیا بھی اس کے پیچھے تھا۔ انھیں دور سے بینو کی خوشبو محسوس ہو رہی تھی۔ وہ ان سے بہت دور جا چکی تھی۔

ادھر بینو سرپٹ دوڑی چلی جا رہی تھی۔ راستہ بہت دشوار تھا۔ کانٹے دار جھاڑیوں سے ٹکرا کر اس کا چہرہ زخمی ہو گیا تھا۔ دایاں پیر بھی کسی نوکیلے پتھر سے لگ کر خونم خون تھا۔ وہ جان بچانے کی فکر میں اپنے زخموں سے بے نیاز بس بھاگی جا رہی تھی۔ اسے معلوم تھا گھڑی بھر میں ہی وہ خون خوار جانور اس تک پہنچ جائیں گے۔ اچانک بینو کی ٹانگیں پھسلیں اور وہ کسی گڑھے میں جا گری۔۔۔ وہاں بہت تاریکی تھی۔ وہ کسی نرم شے پہ گری تھی اور تبھی اس کی ٹانگیں ٹوٹنے سے محفوظ رہی تھیں۔ وہ دم سادھے اپنی جگہ پڑی رہی۔۔۔ کچھ دیر بعد اسے دور سے بھیڑیوں کی غراتی آوازیں سنائی دیں جو بینو کی تلاش میں ناکام ہو کر ایک دوسرے سے الجھ رہے تھے۔ بینو تکلیف سے سسکتی بلکتی کسی وقت اسی گڑھے میں سو گئی تھی۔

بینو پہ کیا گزری؟

آخری حصہ

احمد رضا انصاری

"اوہ میری بچی، تو کہاں چلی گئی تھی۔ فاطو بہت دیر سے تمہیں ڈھونڈ رہا تھا۔"

"ماں! ماں۔۔" وہ رو پڑی۔

"مت رو میری بینو، شکر ہے تو واپس آ گئی ہے۔ اب میری بات کبھی مت ٹالنا اور کہنا ماننا، کبھی مجھ سے دور مت جانا۔"

"ماں۔! مجھے معاف کر دے۔ تو ٹھیک کہتی تھی۔ جنگل میں بہت سارے خطرات ہیں جو منہ کھولے ہمیں نگلنے کو بے تاب رہتے ہیں۔ میں آئندہ کبھی بھی اپنی من مرضی نہیں کروں گی۔ کبھی جنگل کی جانب قدم نہیں اٹھاؤں گی۔" وہ زار و زار رو رہی تھی۔ اچانک وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی۔ اس کے رخساروں پہ آنسو بہ رہے تھے۔ بینو بے تابی سے یہاں وہاں نظریں گھمانے لگیں۔ وہاں اس کی ماں نہیں تھی۔ وہ بس اک خواب تھا۔

اسے رات کے واقعات یاد آ گئے کہ کیسے وہ بھیڑیوں سے زندگی بچاتی دوڑ رہی تھی اور ایک گڑھے میں گر پڑی تھی۔

صبح ہو چکی تھی۔ وہ ایک قدرتی دراڑ میں لیٹی تھی جس کے اوپر جھاڑیوں کا سایہ پھیلا تھا۔ وہ گوشت خور جانوروں سے محفوظ رہ گئی تھی۔ وہ دراڑ نیچے دور تک جاتی نظر آ رہی تھی۔۔۔

بہت نیچے ایک چشمہ ابل رہا تھا جس سے آگے خوب ساری گھاس اگی ہوئی تھی۔ بینو کو پیاس لگ رہی تھی وہ آہستہ سے اٹھ کھڑی ہوئی اور نیچے اترنے لگی۔۔۔ تنگ دراڑ میں اسے کوئی دشمن دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ رات کے واقعے کے بعد وہ بہت سہمی ہوئی تھی۔ چند گھنٹوں میں ہی اس کا سارا اعتماد دھواں دھواں ہو کر فضا میں بکھر چکا تھا۔ وہ پچھتا رہی تھی کہ اگر اپنی ماں کی بات مان کر اسی چراگاہ تک محدود رہتی تو کبھی اس مصیبت میں نہ پڑتی جو اس نے خود اپنے گلے میں ڈالی تھی۔

جیسے جیسے وہ نیچے اترتی گئی دراڑ وسیع ہوتی گئی۔ وہ شگاف اب چھوٹے سے میدان کی شکل میں سامنے تھا۔ جنگل بہت اوپر رہ گیا تھا۔ بینو نے چشمے کا پانی پیا جو ٹھنڈا اور میٹھا تھا۔ اس کی طبیعت سیر ہو گئی اور دل کی دھڑکن بھی معمول پہ آنے لگی۔ بینو اس درز سے نکلنے کا راستہ تلاش کرنے لگی لیکن وہ دراڑ تو بہت لمبی تھی جس سے اوپر جانے کا کوئی راستہ نہ تھا۔ جہاں بینو گری تھی اس جگہ سے بھی واپس اوپر جانا ممکن نہ تھا۔ پورا دن بینو ماری ماری پھرتی رہی پھر ایک چٹان کی اوٹ میں بیٹھ کر سو گئی۔ اس کے زخم اب کم تکلیف دے رہے تھے۔

چند دنوں بعد بینو نے واپس جانے کی جستجو چھوڑ دی۔ وہ سمجھ گئی تھی کہ اب اسے اسی جگہ اپنی زندگی گزارنا ہو گی۔ یہاں پانی تھا۔ گھاس تھی جو کئی سالوں تک اس کا پیٹ بھر سکتی تھی۔ دراڑ کی سپاٹ اور سیکڑوں فٹ اونچی دیواریں اس کے لیے کسی قلعے کی فصیل کا کام دے رہی تھیں۔ وہ اپنے دشمنوں سے بالکل محفوظ تھی۔ بینو روز صبح سے شام تک کھاتی پیتی پھرتی پھر اپنی مخصوص جگہ آ کر بیٹھ جاتی۔ کچھ دیر اپنی ماں اور دوستوں کو یاد کرتی پھر ٹھنڈی آہ بھر کر سو جاتی۔۔۔ وہ ہر وقت خاموش رہتی تھی تاکہ کوئی بھیڑیا اس کی آواز سن کر نیچے نہ اتر آئے۔ ویسے تو یہ ناممکن بات تھی لیکن بھیڑیوں کے نوکیلے پنجے انھیں نیچے اترنے میں مدد دے سکتے تھے۔

چند ماہ بعد کے سردیاں شروع ہو گئی تھیں۔ کہر کی وجہ سے اب دراڑ میں روشنی بھی نہیں آتی تھی۔ دن رات اندھیرا چھایا رہتا۔ نیم اندھیرے میں رہنے کی وجہ سے بینو اب اندھیرے میں واضح طور پہ دیکھ سکتی تھی۔ اس کے جسم پر اون بہت زیادہ ہو گئی تھی جو اسے شدید سردی سے بچا رہی تھی۔ جب برف باری کا سلسلہ شروع ہوا تو گھاس برف میں دفن ہوتی گئی اور چشمہ بھی منجمد ہونے لگا تھا۔ بینو کی خوراک اب بہت کم ہو گئی تھی۔ وہ بہت دور دور جا کر اپنا پیٹ بھرتی تھی۔

فاطو کو دوسرے دن پتا چلا تھا کہ بینو اس کی بھیڑوں کے گلے سے غائب ہے۔ اگلے روز اس نے چراگاہ کے اطراف میں دور دور تک بینو کو ڈھونڈا تھا۔ بینو کی تلاش میں فاطو کا بیٹا انعام اور جوشی کتا بھی حصہ لے رہا تھا۔ کئی دن تک وہ بینو کو کھوجتے رہے پھر یہ سوچ کر اس کام سے رک گئے کہ بینو یقینا کسی جنگلی جانور کا شکار بن چکی ہے۔ وگرنہ کہیں نہ کہیں سے اس کا سراغ مل چکا ہوتا۔ بینو کی ماں بیٹی کی جدائی میں کھانا پینا بھول چکی تھی۔ وہ دن رات بولتی رہتی۔

بقیہ صفحہ نمبر 38 پر

”اور اللہ پر پھروسا کرو اور اللہ ہی کارساز کافی ہے۔“ (الاحزاب:3)

باجی کلثوم نے قرآن پاک کی ایک آیت پڑھی اور سامنے بیٹھے بچوں کو اس کا مفہوم سمجھانے لگی۔

”پیارے بچو! ہمیشہ اللہ پر یقین اور بھروسہ رکھنا اور یہ یاد رکھنا کہ جو اللہ پر یقین رکھ کر چلتے ہیں، انھیں پھر کسی اور سہارے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ اللہ اپنے بندے کے لیے کافی ہوتا ہے۔“ باجی کلثوم نے نرم لہجے میں کہا تو سب بچے سمجھ کر سر ہلانے لگے۔ کچھ دیر کے بعد سب بچے اپنا اپنا سپیارہ اٹھا کر واپس گھروں کو لوٹنے لگے۔

”آج بھی دیر ہو گئی ہے۔ مغرب کی اذان ہونے والی ہے۔“ دس سالہ حسن نے اپنے سے دو سال بڑی بہن شفق سے کہا جو تیز تیز قدم اٹھاتے ہوئے زیرِ لب حفاظت کی دعائیں پڑھ رہی تھی۔

”باجی کلثوم نے حفاظت کی جو دعائیں یاد کروائی ہیں۔ انھیں پڑھ کر خود پر دم کر لو۔“ شفق نے نرم لہجے میں کہا تو حسن نے جلدی سے ایسا ہی کیا۔ ان کا گھر بستی سے کچھ دور سندر بن کے جنگل کی دوسری طرف ندی کے پاس تھا۔ ندی کے پاس بنے چند گھروں میں سے ایک گھر ان کا بھی تھا، جہاں وہ اپنے بیمار باپ اور ماں کے ساتھ غربت میں زندگی بسر کر رہے تھے۔ آئے روز ندی میں آنے والے طوفان کی وجہ سے سب لوگ یہاں سے کوچ کر کے جنگل کی دوسری سمت جا کر بس گئے، مگر کچھ لوگوں کے پاس یہاں سے جانے اور دوسری جگہ بسنے کے لیے پیسے نہیں تھے۔ وہ مجبوری میں یہاں وقت گزار رہے تھے۔ شفق کا باپ مزدور تھا جو پچھلے کئی مہینوں سے بیمار تھا اور کام کرنے کے قابل نہیں رہا تھا۔ شفق کی ماں ہاتھ سے بنی مختلف اشیا بنا کر فروخت کرتی، جس سے گزارا ہو رہا تھا۔

اس علاقے میں مشہور تھا کہ سندر بن کے جنگل میں کئی سالوں سے ایک بوڑھا جن رہتا ہے، جو وہاں سے گزرنے والوں کو تنگ کرتا تھا۔ حسن یہ قصے اپنے بچپن سے سن رہا تھا۔ اس لیے وہ جنگل سے گزرتے ہوئے بہت ڈرتا، جبکہ شفق بہادر تھی۔ وہ اپنے ڈر پر قابو پانا جانتی تھی۔

وہ دونوں بھاگتے قدموں سے جنگل پار کرنے کی کوشش کر رہے تھے، جب ایک گھنے اور ویران حصے میں اچانک سفید داڑھی والا بہت لمبے قد کا پتلا شخص نمودار ہوا تو حسن اسے دیکھ کر چیخ مار کر شفق سے لپٹ گیا۔

”بوڑھا جن!“ حسن نے روتے ہوئے شفق سے کہا جو گھبرا کر اونچی آواز میں حفاظت کی دعائیں پڑھ رہی تھی۔ کچھ دیر تک وہ شفق کو دیکھتا رہا۔ شفق گھبرا کر دعا بھول گئی تو اس نے نرم لہجے میں باقی کی دعا شفق کو سنائی۔ شفق اور حسن حیران رہ گئے۔

”آپ جن ہیں نا؟“ حسن نے حیرانی سے سوال کیا تو اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

”تو پھر آپ کو یہ دعا کیسے یاد ہوئی؟“ شفق نے اگلا سوال کیا۔

”اس لیے کہ میں مسلمان جن ہوں۔ اللہ کو مانتا بھی ہوں اور اللہ کی عبادت بھی کرتا ہوں۔“ بوڑھا جن مسکرا کر بولا۔

”پھر آپ کو اللہ کے بندوں سے بھی حسنِ سلوک کرنا چاہیے، مگر آپ کسی کو بھی جنگل سے گزرنے نہیں دیتے ہیں۔“ شفق نے سنجیدگی سے کہا۔

”اس لیے کیوں کہ انسان بہت جلد باز مخلوق ہے۔ یہاں سے گزرتے ہوئے شور مچاتے ہیں، لڑتے ہیں، قہقہے لگاتے ہیں۔ میں اکثر چڑچڑا کاٹ رہا ہوتا ہوں۔ انسانوں کی مداخلت کی وجہ سے میرا چلّہ ٹوٹ جاتا ہے۔“ بوڑھا جن منہ بنا کر بولا۔

”آپ ہم سے کیا چاہتے ہیں؟“ شفق نے جلدی سے سوال کیا۔

”تم دونوں ہر روز یہاں سے گزرتے ہو۔ وہ وقت میرے آرام کا ہوتا ہے یا تو تم دونوں شام ہونے سے پہلے یہاں سے گزر جایا کرو۔

نہیں تو یہاں دوبارہ مت آنا، ورنہ میں تم دونوں کو بندر بنا دوں گا۔ سارا وقت درخت پر اُچھلتے کُودتے رہو گے، اب جاؤ۔“

بوڑھا جن کہتے ہوئے اچانک غائب ہو گیا۔ شفق اور حسن نے دوڑ لگا دی اور گھر آ کر سانس لی۔ دونوں نے یہ بات اپنے والدین کو نہیں بتائی، مگر خوف کی وجہ سے دونوں بچوں کو بخار چڑھ گیا۔ شفق تو پھر بھی جلد سنبھل گئی، مگر حسن کسی طرح بھی دوبارہ جنگل سے گزر کر باجی کلثوم کے پاس قرآن پڑھنے نہیں جانا چاہتا تھا۔ حسن ٹھیک ہوا تو اس کے والدین نے دونوں بچوں کو سیپارہ پڑھنے کے لیے گھر سے بھیجا تو حسن جنگل کے پاس آ کر خوف سے کانپنے لگا۔

”حسن! ہمت کرو۔ ہم شام سے پہلے واپس آ جائیں گے۔“ شفق نے بہادر بنتے ہوئے کہا، مگر حسن نے نفی میں سر ہلایا اور واپس گھر بھاگ گیا۔ شفق نے اسے کئی آوازیں دیں، مگر حسن نہیں آیا تو شفق نے اللہ کا نام لیا اور جنگل میں داخل ہو گئی۔ وہ تیز قدم اٹھاتی اپنی منزل پر پہنچی اور واپسی پر شام ہونے سے پہلے واپس گھر آ گئی۔

”میں نے تم سے کہا تھا نا! دیکھو میں لڑکی ہو کر اکیلی چلی گئی اور تم ڈر کر واپس آ گئے۔“ شفق نے حسن سے کہا، جس نے گھر آ کر والدین سے خراب طبیعت کا بہانہ کر دیا تھا۔

”میں بھی کل تمہارے ساتھ جاؤں گا۔“ حسن نے عہد کیا۔ اگلے دن دونوں بہن بھائی باجی کلثوم کے پاس گئے۔ واپسی پر ان دونوں کو پھر شام ہو گئی تو حسن گھبرا گیا۔

”میں گھر نہیں جاؤں گا۔ بوڑھا جن ہمیں بندر بنا دے گا۔“ حسن نے روتے ہوئے کہا۔

”بے وقوف! ہم علم حاصل کرنے گھر سے نکلتے ہیں۔ علم حاصل کرنے والے کی حفاظت اللہ کرتا ہے۔ اللہ پر یقین رکھو۔ باجی کلثوم نے کیا سمجھایا تھا کہ جو اللہ پر بھروسہ رکھتے ہیں۔ اللہ ان کے لیے کافی ہوتا ہے۔“ شفق نے نرمی سے سمجھایا اور خوف زدہ حسن کا ہاتھ پکڑ کر آگے بڑھنے لگی۔ وہ دونوں گھر سے کچھ دور تھے، جب ویران اور اندھیری جگہ پر بوڑھا جن ان

کے سامنے نمودار ہوا۔ جن کو دیکھتے ہی حسن خوف زدہ ہو کر بہن سے لپٹ گیا۔ شفق نے بھائی کو اپنے پیچھے چھپالیا اور خود پر اعتماد انداز میں کھڑی ہو کر بوڑھے جن کو دیکھنے لگی۔

"تم دونوں نے میری بات نہیں مانی۔ سزا جانتے ہو نا!" بوڑھا جن انھیں گھور کر بولا۔

"ہمیں کچھ مت کہنا۔ ہمارے بوڑھے والدین ہمارے انتظار میں ہوں گے۔" حسن نے روتے ہوئے کہا۔

"مگر میں نے کہا تھا کہ اگر کسی نے میرے آرام میں خلل ڈالا تو اسے سزا ضرور ملے گی۔" بوڑھا جن سخت انداز میں گویا ہوا۔

"اس طرح تو آپ بھی انسانوں کے راستے اور آرام میں خلل ڈال رہے ہیں۔" شفق نے سنجیدگی سے کہا تو بوڑھے جن نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

"وہ کیسے؟" بوڑھے جن نے پوچھا۔

"آپ جانتے ہیں کہ ہم دونوں غریب اور مجبور بچے، حالات کی وجہ سے ندی کے پاس رہنے پر مجبور ہیں، کیوں کہ ہمارا باپ بیمار ہے، مگر ہمارے والدین کی طرح ہمیں بھی شوق ہے کہ ہم علم حاصل کریں۔ ہم اسکول نہیں جاسکتے، مگر ہم قرآن پڑھنے تو جاسکتے ہیں نا! آپ کی وجہ سے بہت سے بچے ڈر کر قرآن پڑھنے نہیں جاتے ہیں کہ سندر بن کے جنگل میں بوڑھا جن رہتا ہے۔ اس طرح تو آپ انسانوں کے لیے مشکل اور تکلیف کا باعث بن رہے ہیں۔" شفق نے کہا۔

"مگر تم تو کل اکیلی قرآن پڑھنے گئی تھیں اور آج بھی اپنے بھائی کو ساتھ لائی ہو۔" بوڑھا جن سنجیدگی سے بولا۔

"اس لیے کہ میں آپ سے ڈرتی نہیں ہوں۔ میں صرف اپنے اللہ پر یقین رکھتی ہوں، جو سب کا مالک ہے۔ اللہ پر یقین رکھنے والوں کی مشکل آسان ہو جاتی ہے۔" شفق نے یقین سے کہا تو بوڑھا جن اسے دیکھتا رہا۔

"میں نے اتنے سال اللہ کی عبادت کی، مگر اس یقین اور بھروسے کو نہیں پا سکا جو تمہارے پاس ہے۔ جاؤ بچو! میرا وعدہ رہا کہ آج کے بعد یہ بوڑھا جن کسی انسان یا مخلوق کے لیے تکلیف کا باعث نہیں بنے گا۔" بوڑھے جن نے مسکرا کر کہا اور غائب ہو گیا۔ دونوں بھاگتے ہوئے گھر واپس آئے اور اپنے والدین کو سارا قصہ سنایا۔ دونوں پریشان ہو گئے، مگر شفق نے انھیں تسلی دی۔

آنے والے وقت نے ثابت کیا کہ سندر بن کے بوڑھے جن کا وعدہ سچا تھا۔ سندر بن کے جس جنگل سے لوگ پہلے گزرنے سے ڈرتے تھے، اب اکثر وہاں سے گزرنے لگے، کیوں کہ اس علاقے میں مشہور ہو گیا تھا کہ ایک نیک اور رحم دل بوڑھا جن اکثر راستہ بھٹکنے والوں یا کسی مشکل میں پھنس جانے والوں کی مدد ضرور کرتا ہے۔ کچھ عرصے کے بعد ان کا باپ ٹھیک ہو کر کام پر جانے لگا۔ دونوں بچے اسکول بھی جانے لگے۔ زندگی میں بہت آسانی آ چکی تھی۔ شفق اور حسن نے دوبارہ کبھی بوڑھے جن کو نہیں دیکھا تھا، مگر وہ دونوں نہیں جانتے تھے کہ آج بھی جب وہ دونوں قرآن پاک کی تعلیم حاصل کرنے باجی کلثوم کے گھر جاتے تو بوڑھا جن دور تک ان کے ساتھ چلتا تھا۔ وہ ان دونوں بچوں سے دلی محبت کرتا تھا، جنھوں نے اسے انسانیت کا سبق پڑھایا تھا۔ ایک جن کے لیے انسانیت کے سبق میں بہت کشش تھی، کیوں کہ یہ سبق اللہ کی رضا عطا کرنے والا تھا۔ سندر بن کے بوڑھے جن کو کئی صدیوں سے اللہ کی رضا ہی تو چاہیے تھی۔

بقیہ

بینو پہ کیا گزری؟

فاطو سے اس کی تکلیف اور آنسو دیکھے نہ جاتے تھے۔ لیکن وہ بے بس تھا۔ بینو کو کہاں سے لاتا۔ وہ تو ایسے گم ہوئی تھی کہ جیسے کبھی وجود بھی نہ رکھتی ہو۔

جب پہلی برف باری ہوئی تو فاطو نے سب بھیڑوں کو اندرونی احاطے میں بند کر دیا تھا۔ ان کا چارہ وہ پہلے سے جمع کر چکا تھا۔ موسم بہار تک بھیڑوں نے اپنے گرم احاطے میں وقت گزارنا تھا۔

ایک دن فاطو اپنے بیٹے کے ساتھ جنگل میں خشک لکڑیاں کاٹنے گیا۔ بہت سے درخت سوکھ کر زمین پر گر جاتے تھے جنھیں دیہاتی لوگ اپنا ایندھن بنانے کے لیے اٹھالاتے تھے۔ گھنے جنگل میں جہاں ابھی برف نہیں تھی انھیں بہت سے سوکھے درخت مل گئے۔ فاطو نے اپنے کلہاڑے سے ان کے ٹکڑے کیے اور انعام انھیں رسیوں میں باندھنے لگا۔۔۔ جنگل میں چھایا سناٹا بتا رہا تھا کہ وہاں سے جانور ہجرت کر گئے ہیں۔ شدید سرد موسم میں وہ جانور دوسرے علاقوں میں نکل جاتے تھے۔

"ابا۔۔! تم نے کچھ سنا؟" انعام نے اچانک فاطو سے پوچھا۔

"کیا ہوا۔۔ کس کی بات کر رہے ہو۔ مجھے تو کچھ سنائی نہیں دے رہا؟" فاطو چونک اٹھا۔ اس نے کلہاڑا نیچے رکھ دیا تھا۔

"مجھے اس طرف سے کسی جانور کی ہلکی سی آواز سنائی دے رہی ہے۔" انعام نے دور اشارہ کیا۔

"کون سا جانور ہو سکتا ہے بھلا۔۔؟" فاطو سوچنے لگا۔ پھر وہ دونوں مشورے کرنے کے بعد اس طرف بڑھے۔ وہاں درخت چھدرے سے تھے اور سفید برف ہر جانب پڑی تھی۔ آواز اب واضح تھی۔

"یہاں ان جھاڑیوں کے نیچے۔" انعام نے ایک جگہ بیٹھتے ہوئے کہا۔

فاطو غور سے جھاڑیوں کو دیکھنے لگا پھر اچانک وہ پیچھے ہٹ آیا۔

"احتیاط سے بیٹا۔ یہاں ایک قدرتی شگاف ہے۔ تم ذرا پیچھے رہو۔ کہیں اس میں نہ گر پڑو۔"

"ابا یہ تو کسی بھیڑ کی آواز ہے۔ کہیں یہ بینو نہ ہو۔" انعام نے کان لگا کر کچھ سنا پھر چہکتے ہوئے بولا۔

"اتنے مہینوں بعد بینو بھلا کیسے زندہ رہی ہو گی۔ یہ شاید کسی اور کی بھیڑ ہے جو نیچے گر پڑی۔ ہمیں اسے نکالنا چاہیے ورنہ وہ سردی اور بھوک سے مر جائے گی۔" فاطو نے کہا اور رسیاں جوڑنے لگا۔۔۔ پھر اس نے جھاڑیوں کو کاٹنا شروع کیا۔ نیچے واقعی ایک دراڑ تھی۔ جب راستہ بن گیا تو وہ نیچے اتر آئے۔ وہاں ایک بہت موٹی بھیڑ بیٹھی منہ چلا رہی تھی۔ اس پر اتنی زیادہ اون جمع ہو گئی تھی کہ وہ چل پھر بھی نہیں سکتی تھی۔ انھیں آتا دیکھ کر بینو اٹھ کھڑی ہوئی۔

"ابا یہ تو واقعی اپنی بینو ہے۔ حیرت ہے یہ کیسے اب تک زندہ رہی؟" انعام حیران پریشان رہ گیا تھا۔

"بیٹا! جسے اللہ رکھے اسے کون چکھے۔" فاطو مسکرایا پھر بینو کے گرد رسی باندھنے لگا۔ انھیں اب اسے اوپر کھینچ کر باہر نکالنا تھا۔ فاطو خوش تھا کہ چھ ماہ بعد ہی سہی۔ اس کی بینو اسے واپس مل گئی تھی۔ وہ بھی ڈھیروں ڈھیر اون کے ساتھ۔۔۔ ہر کام میں اللہ کی کوئی نہ کوئی مصلحت ہوتی ہے اور آج فاطو اس بات کو مجسم حالت میں اپنے سامنے دیکھ رہا تھا۔۔۔

ابابیلیں آیا چاہتی ہیں!!

ام محمد عبداللہ

عجیب اداسی اور بے چینی ہر جانب بکھری پڑی تھی۔ ہوا ساکت اور فضا مضمحل تھی۔ معمر امل عواد اپنے گھر کی ٹوٹی ہوئی کھڑکی کے شیشے سے باہر جھانک رہی تھیں۔ان کی ٹانگوں سے لپٹے ان کے یتیم پوتا پوتی خوف زدہ نظر آرہے تھے۔انھیں خود تو جیسے ہراساں رہنے کی عادت ہو چکی تھی۔

کل 13 فروری 2023 کی رات کو اسرائیلی آباد کاروں کے ایک گروپ نے آدھی رات کو ان کی زمین کو گھیر لیا تھا۔ گھر پر حملہ کرنے سے پہلے انھوں نے گاڑی کی کھڑکیوں اور سولر پینلز سمیت تمام شیشے توڑ ڈالے تھے۔ان کی حرکتیں سی سی ٹی وی کیمرے میں قید ہو گئیں تھیں۔ وہ سب بیس بال کے بلے کے ساتھ بھوت جیسے نظر آرہے تھے۔ باہر کے اُجڑے مناظر سے نگاہ ہٹا کر انھوں نے اپنے بارہ سالہ پوتے مسلم اور دس سالہ پوتی ھدیل کے سر پر شفقت سے ہاتھ پھیرا۔ "میرے پیارو! جنت بہت خوب صورت ہے" وہ مسکرائیں تو جنت کے تصور سے معصوم بچے بھی مسکرا دیے۔ "دادی جان! جنت میں اسرائیلی آباد کار نہیں ہوں گے نا۔" ننّھی ھدیل نے روز کی طرح آج بھی یقین دہانی چاہی۔ "اور وہاں سب پیغمبرانِ کرام جمع ہوں گے نا، جو مسجدِ اقصیٰ میں شبِ معراج کو جمع تھے؟" مسلم کی معصوم نگاہیں بھی دادی جان کے جھریوں بھرے چہرے پر جمی تھیں۔ "وہاں ہمیں مسجد اقصیٰ میں داخل ہونے سے کوئی نہیں روکے گا نا؟" مسلم بدستور دادی جان کی جانب دیکھ رہا تھا۔ "جی ہاں۔" دادی جان نے انھیں یقین دلایا تو وہ دونوں کھڑکی کے ٹوٹے ہوئے شیشوں کو جمع کرنے لگے۔ مقبوضہ مغربی کنارے میں موجود ان کا مکان ایک غیر پلاسٹر شدہ کنکریٹ کا ڈھانچہ تھا، جس کے چاروں طرف جھاڑیاں اُگی ہوئی تھیں۔ یہ مکان بظاہر عجلت میں تعمیر کیا گیا لگتا تھا، لیکن امل عواد کی طرح یہ مکان بھی یہاں کئی دہائیوں سے موجود تھا۔

سنہ 1993 کے اوسلو امن معاہدے کے تحت مغربی کنارے کو تین علاقوں میں تقسیم کیا گیا تھا۔امل اس تقسیم کے سب سے بڑے علاقے ایریا سی میں رہتی تھیں، جس پر اسرائیلی کنٹرول ہے۔ دادی جان بچوں کو کھیلتے دیکھ کر باورچی خانے کی جانب مڑ گئیں، جانتی تھیں کہ بچوں نے صبح سے کچھ نہیں کھایا، مگر ان کے دل کی طرح باورچی خانہ بھی سائیں سائیں کر رہا تھا۔ "امل خالہ! امی جان نے بچوں کے لیے کھجوریں بھجوائی ہیں۔" سینان ان کے سامنے کھڑی مسکرا رہی تھی۔ "امی جان کہہ رہی ہیں نماز کے لیے مسجدِ اقصیٰ جانا ہے۔علامہ عکرمہ صبری نے مسجد کے دفاع اور تحفّظ کے لیے ایک بار پھر سب کو وہاں نماز ادا کرنے کی کال دی ہے۔" امل کی بھانجی سینان جوان کے پڑوس ہی میں رہتی تھی، جانے کیسے ان حالات میں بھی ہر وقت مسکراتی رہتی تھی۔امل کھجوریں لے کر باہر بچوں کے پاس آگئیں، جہاں وہ کھیل رہے تھے۔ "میں فلسطینی بچہ ہوں اور تم اسرائیلی فوجی، میں تمھیں پتھر مار کر ہلاک کر دوں گی۔" ھدیل کھیل کا پلان بتا رہی تھی۔ "نہیں، پتھر سے کوئی نہیں مرتا، تم مجھے پتھر مارو گی اور میں تمھیں پہلے زور سے تھپڑ ماروں گا، پھر جب تم گر جاؤ گی تو میں تمھیں گولی مار دوں گا۔" "ہاں یوں ٹھیک ہے، پھر میں مر کر جنت میں ابو امی کے پاس چلی جاؤں گی۔ سنو! تم دادی کو بھی گولی مار دینا، وہ اکیلے یہاں ڈریں گی۔" امل بچوں کا روز کا کھیل دیکھ کر وحشت زدہ دل لیے گھر سے باہر چلی آئیں۔ سامنے ان کی بہن شیرا اپنے گھر کے سامنے سے کچرا اٹھا رہی تھیں۔

امل کو آتے دیکھ کر وہ زور زور سے کہنے لگیں: "ان کی یہ پُر تشدّد مہم ہمیں ہماری زمین سے نکالنے کے لیے ہے۔ ہم اپنے گھر چھوڑ کر کہیں نہیں جائیں گی۔ امل شیرا کے قریب ہی ایک پتھر پر جا کر بیٹھ گئیں، پتا نہیں شیرا! میں نے تو وقت کے ساتھ ان اسرائیلی آباد کاروں کو دلیر ہوتے ہی دیکھا ہے۔ پہلی بار یہ اکتوبر 2021 میں حملہ آور ہوئے تھے، جب انھوں نے ہمارے گھروں پر پتھراؤ کیا تھا۔ ہم انھیں روک نہیں سکے تھے، پھر بیس روز بعد انھوں نے آکر ہمارے گھروں پر کالی مرچوں کا سپرے کیا اور باڑ اور کھڑکیاں توڑ دیں۔ وہی کھڑکیاں تو یہ دو سال لگا کر میں نے ٹھیک کی تھیں، جنھیں یہ ظالم کل پھر توڑ گئے ہیں۔" امل کی آنکھیں خشک تھیں، مگر ان کا دل رو رہا تھا۔ "یہاں مغربی کنارے میں یہودی آباد کاری بین الاقوامی قانون کی نظر میں غیر قانونی ہے، پھر یہ ہمیں یہاں ہمارے حال پر کیوں نہیں چھوڑ دیتے؟" شیرا ابھی بہت بے چین تھی۔ "یہ درندے کون سا بین الاقوامی قانون مانتے ہیں؟ کون سے انسانی حقوق کی پاسداری کرتے ہیں؟ یہ تو ہمیں ہماری اس مقدّس و مبارک سرزمین سے بے دخل کر کے یہاں قبضہ چاہتے ہیں، ساری دنیا کے وسائل اور آبادی پر اپنا شیطانی راج مسلط کرنا چاہتے ہیں۔" امل عواد کا بچپن اور جوانی نکبہ سے لے کر عرب اسرائیل جنگوں اور امن معاہدوں تک سب کے گواہ تھے۔

"سال کے آغاز سے اب تک ۶۰۰ حملے ہو چکے ہیں۔ میں نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ مل کر ایک حفاظتی گروپ تشکیل دیا ہے، ہم باری باری گاؤں کی حفاظت کے لیے پہرا دیں گے۔" فواد حسن جو اسی محلے کا ایک جوان تھا، انھیں حوصلہ دینے چلا آیا۔ "تم دو چار ہو، ان کا گروپ بہت بڑا ہوتا ہے، ان کے پاس ہتھیار بھی ہوتے ہیں، تمہارے پاس پتھروں کے سوا ہے ہی کیا؟" شیرا نے مایوسی سے کہا۔

"ان پتھروں میں اللہ عزّوجلّ ابابیل کے کنکروں جیسی طاقت بھر دے گا۔ان شاءاللہ!" فواد نے عزم سے کہا تو شیرا اور امل کی نگاہوں میں بھی اُمید کے دیپ جل اٹھے۔ "نماز کا وقت قریب ہے، آؤ مسجدِ اقصیٰ کی طرف چلیں۔"

ابابیلیں آیا چاہتی ہیں۔۔۔

عجیب قافلہ ہے یہ — لٹا پٹا کٹا پھٹا
ہزار خون میں بہہ گیا — بدن کے چیتھڑے بھی اڑ گئے
سامانِ زیست بکھر گیا — مگر ہے تَن کے کھڑا ہوا
فیصیلِ اقصیٰ بنا ہوا — ہاں اس یقیں کے ساتھ

کہ ابابیلیں آیا چاہتی ہیں۔۔۔

دعا محض کے سوا — ہمارے پاس ہے اور کیا
تمہاری نصرت خدا کرے — جبرائیل امیں کو بھیج کر
تمہارے لیے — کامرانیوں کے در وا کرے
عقیدتوں کے پھول ہیں — تمہارے واسطے!!

کہ ابابیلیں آیا چاہتی ہیں۔۔۔

امل اور شیرا کے گاؤں سے میلوں دور احمد اور علی اپنے گھر میں لیپ ٹاپ کے سامنے بیٹھے میں اور میری مسجدِ اقصیٰ نامی ایک آن لائن کورس کر رہے تھے۔ان کے دل سرزمین انبیا فلسطین کے لیے دھڑک رہے تھے اور ان کے قلم ان کی ڈائری میں لکھ رہے تھے۔

"فلسطینی مسلمانوں اور مسجدِ اقصیٰ کے نام"

ہمیں تم سے محبت ہے۔

ہمارے دل تمہارے ساتھ کلمہ لاالہ الااللہ پر دھڑکتے ہیں۔

تم ہماری دعاؤں کے حصار میں ہو۔

ہم اپنی آواز اور اپنے قلم سے

اپنے علم اور عمل سے تمہارا دفاع کریں گے اور

ان شاءاللہ! اپنی جان اور اپنے ہتھیار سے بھی!!!

بچوں کے فن پارے

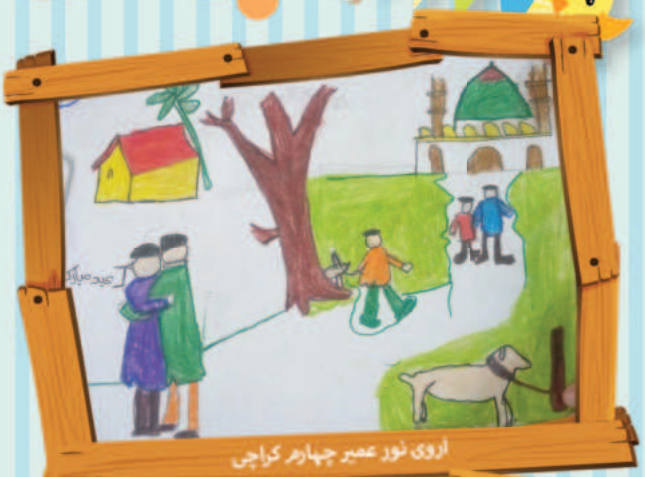

اروی نور عصیر چہارم کراچی

امامہ زاہد10 سال کراچی

عائشہ فرقان،کراچی

فاطمہ بنت عمران،کراچی

فاطمہ نور کراچی

مریم سمیع، ملتان

ہر ماہ ایک فن پارے پر300 روپے انعام دیا جاتا ہے گزشتہ ماہ ایمان فاطمہ کا فن پارہ انعامی قرار پایا ہے، انہیں 300 روپے مبارک ہوں (ادارہ)

پیارے بچو!!!

آپ کو گرمی کی چھٹیاں مبارک ہوں۔ کچھ بچے یقیناً اس مبارک کو برا منائیں گے کیوں کہ ان کی سالانہ چھٹیاں سردیوں میں ہوتی ہیں۔ ان کے ہاں آج کل بہت ہی آئیڈیل اور خوش گوار موسم ہوگا۔ اس آئیڈیل موسم میں اسکول جانا تو بہت ہی آئیڈیل ہوتا ہے۔ ایسے بچوں کو موسم سرما میں مبارک بھیجی جاسکتی ہے۔ جن بچوں کو چھٹیاں ہیں یقیناً انہوں نے ان چھٹیوں کو کارآمد بنانے کے لیے کچھ نہ کچھ سوچا ہوگا۔ کچھ نے شاید چھٹیوں میں سیر تفریح کا پروگرام بنایا ہوگا، کچھ نے نیا لکھنے پڑھنے سیکھنے کا سوچ رکھا ہوگا، مزے دار قسم کے کھیل بھی پروگرام میں شامل ہوں گے۔ اگر آپ نے چھٹیاں موبائل میں گم ہو کر گیم کھیلنے اور اوٹ پٹانگ چیزیں دیکھنے میں گزارنی ہیں تو اس کا مطلب ہے آپ نے چھٹیاں ضائع کرنے کا پروگرام بنایا ہے۔

اور پھر بقر عید بھی انہی چھٹیوں میں آرہی ہے۔ قربانی کے جانوروں کو ٹہلانا انہیں کھلانا پلانا ان کی دیکھ بھال کرنا یہ سب بھی مبارک کام ہیں۔ قربانی سے یاد آیا یہ قربانی کی ایک شکل ہے کہ جانور ذبح کیے جائیں ان کا گوشت عزیزوں رشتے داروں اور غریبوں فقیروں میں تقسیم کیا جائے، خود بھی جی بھر کے کھایا جائے۔ یہ قربانی ہمیں سکھاتی ہے اپنی انا اور ضد قربان کر کے دوسروں کو راحت آرام سکون پہنچائیں۔

ماہنامہ فہم دین
جون 2023ء کے سوالات

سوال 1: قابیل نے قربانی میں کیا پیش کیا؟

سوال 2: دنیا کی عمر کتنی ہے؟

سوال 3: سدیس کے ابو کیا کام کرتے تھے؟

سوال 4: حضرت عبداللہ کو آپ ﷺ نے کس فوج کے ساتھ منتخب فرمایا۔۔۔؟

سوال 5: اصیرم نے کیا بنا کے مقابلہ جیتا؟

مارچ 2023ء کے سوالات کے جوابات

جواب 1: حضرت ام ورقہ رضی اللہ عنہا کو

جواب 2: صحابی رسول حضرت براء بن مالک انصاری رضی اللہ عنہ نے

جواب 3: زلزلے کی وجہ سے۔۔۔

جواب 4: بونستان کی

جواب 5: بندر

مارچ 2023ء کی سوالات کا درست جواب دینے پر کراچی سے مفیض الرحیم کو شاباش انہیں 300 روپے مبارک ہوں

سنیے!!!!

انعامی سوالات کے جوابات بھیجیں یا فن پارہ اپنا نام، عمر کلاس اسکول/مدرسے کا نام اور رابطے کے لیے موبائل نمبر ضرور لکھیں۔ جوابات اور فن پارہ وٹس ایپ کرنے کے لیے نمبر نوٹ کرلیں

03351135011

بلا عنوان کا عنوان

مارچ 2023ء میں بنت مسعود کی کہانی بلا عنوان شائع ہوئی تھی، اس کے لیے کراچی سے آمنہ نور کا عنوان انعام کے لیے منتخب کیا گیا ہے۔ انہوں نے عنوان دیا ہے

"محبت خلق، وصل خدا"

خطبۂ حجۃ الوداع

ارسلان اللہ خان

جب کہ عرفات میں حج کا تھا اجتماع
اُس میں سرکارِ عالم ﷺ نے خطبہ دیا

سارا خطبہ یہ حکمت سے معمور ہے
ساری دُنیا کا یہ پہلا منشور ہے

اللہ اللہ کیا ہو گا اُن ﷺ کا وقار
میرے آقا ﷺ تھے جب اونٹنی پر سوار

خوب کی اپنے خالق کی حمد و ثنا
اس طرح میرے آقا ﷺ نے کی ابتدا

غیر عَرَبی سے بڑھ کر نہیں عَرَبی
نہ ہی کالے سے افضل ہے گورا کوئی

اپنے وعدے کا جو پاس رکھتا نہیں
تو یہ سمجھو کہ اُس کا نہیں کوئی دیں

سارے انسان آدمؑ کی اولاد ہیں
اور مٹّی سے آدمؑ بنائے گئے

جس قدر ہیں جہالت کے رسم و رواج
روندتا ہوں میں پیروں تلے سب کو آج

قتل و غارت گری اور بُرائی کے کام
جان لو آج سے تُم پہ ہیں سب حرام

یاد رکھو کہ افضل ہے وہ آدمی
جو ہو تُم میں بہت نیک اور متّقی

عورتوں کا کرو تُم بہت احترام
اُن کو ہر گز نہیں سمجھو اپنا غُلام

اُن کے بارے میں اللہ سے ڈرتے رہو
جو بھی حق اُن کا ہے اُس کو پورا کرو

جتنے مومن ہیں یہ جان لیں لازمی
ایک دوجے کے ہیں بھائی بھائی سبھی

دیکھنا یہ نہ کرنا مرے بعد میں
ایک دوجے کی گردن لگو مارنے

ہے پڑوسی کا بھی تُم پہ حق جان لو
اپنے ہم سائے کو تُم نہ تکلیف دو

آج سے ختم لوگو ہر اک سود ہے
جس کا جو سود تھا آج مفقود ہے

جان لو تُم پہ واجب ہے یہ بات بھی
ہر امانت کی لازم کرو واپسی

یاد رکھنا ہے جو شخص تیرا غُلام
اس سے نرمی سے کرنا ہمیشہ کلام

باپ نے جُرم کوئی اگر کر لیا
اُس کا بیٹا نہ پائے گا ہر گز سزا

تُم شریعت کو لوگو اگر تھام لو
زندگی بھر کبھی بھی نہ گمراہ ہو

جو مری بات کو آج کے دن سُنے
اُس پہ لازم ہے ابلاغ اس کا کرے

لوگو! یہ بات مُجھ کو بتا دو ذرا
میں نے تبلیغ کا حق ادا کر دیا؟

سارے اصحاب پھر ہو گئے یک زباں
اور کہنے لگے ہاں رسولِ خُدا

میرے سرکار ﷺ نے پھر خُدا سے کہا
یا خُدا آج کے دن تو رہنا گواہ

دینِ حق کا ترا جو بھی پیغام تھا
میں نے وہ آج ہر اک کو پہنچا دیا

آج ی بات جو سب کو بتلائے گا
ایسے بندے کو خوش رکھے میرا خُدا

ہم کو توفیق اس کی دے پروردگار
ہم بھی خطبے کی باتیں کریں اختیار

ارسلانؔ کا یہ دعویٰ ہے کہ بالیقیں
اس سے بہتر کوئی اور خطبہ نہیں

وہی حق ہے وہی سچ ہے

جوہر عباد

جو میرے رب نے فرمایا وہی حق ہے وہی سچ ہے
محمد ﷺ نے جو اپنایا وہی حق ہے وہی سچ ہے

قرآن پاک کی ہر ایک آیت نور ایمانی
قرآن پاک کی کل سورتیں منشور قرآنی
فرشتہ جو وحی لایا وہی حق ہے وہی سچ ہے

حضور پاک ﷺ کے اخلاقِ عالی شان کیا کہنے
حضور پاک ﷺ کے فرمانِ عالی شان کیا کہنے
صحیح حدیثوں میں جو آیا ہے وہی حق ہے وہی سچ ہے

کسر چھوڑی نہیں ہے جان نثاری میں صحابہؓ نے
محمد مصطفیٰ سے وفاداری میں صحابہؓ نے
جو سیکھا اور سکھلایا وہی حق ہے وہی سچ ہے

صحابہؓ کی مجالس سے جو فیضیاب ہوئے خوب
وہ تابعین میرے رب کا انتخاب ہوئے خوب
عمل جو کر کے دکھلایا وہی حق ہے وہی سچ ہے

جو تابعین کی صحبت میں اُن کے جانشین ٹھہرے
جو اُن کے نقشِ پا پہ چل کے تبع تابعین ٹھہرے
دیا جو دیں کا سرمایہ وہی حق ہے وہی سچ ہے

ملے ہر دور میں اُمت کو جو ہر اولیاء اللہ
مشعل راہ بنے اللہ اکبر اولیاء اللہ
جو ہم تک دین پہنچایا وہی حق ہے وہی سچ ہے

گلدستہ

ترتیب و پیشکش: شیخ ابو بکر، عبدالرحمن چترالی

حمد باری تعالیٰ

قل ھواللہ احد　　مدد اللہ مدد

دوسرا تیرے سوا کوئی بھی معبود نہیں
بے نیاز اتنا کہ حد ہی کوئی موجود نہیں

صمد اللہ صمد　　قل ھواللہ احد

نہ جنا تجھ کو کسی نے نہ کسی کو تو نے
ساری دنیاؤں کو مہکایا تری خوشبو نے

تو ازل تو ہی ابد　　قل ھواللہ احد

رات بن جائے کبھی مثلِ سحر تو آئے
دیکھنے والا ہو کوئی تو نظر تو آئے

تجھ سے عاجز ہے خرد　　قل ھواللہ احد

آخرت کا کوئی غم اس کو نہ تڑپائے خدا
اس گنہگار مظفر کو بھی مل جائے خدا

تیری رحمت کی سند　　قل ھواللہ احد

مدد اللہ مدد

مظفر وارثی

نعت رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم

اتر کر عرش و کرسی سے رسولوں کا امام آیا
بہ شانِ رحمۃ اللعالمین خیر الانام آیا

حبیب اللہ کا جب بھی زباں پر میری نام آیا
دہن تر آبِ کوثر سے ہوا اک ایسا جام آیا

درود اس ذاتِ اقدس پر، سلام اس رحمتِ حق پر
جو اپنے اور غیروں کی ہر اک مشکل میں کام آیا

تھی ایسی روشنی سرکار کے روئے منوّر میں
حلیمہ کہتی تھیں گھر میں مرے ماہِ تمام آیا

مزا انعام جب ہے خود خدا محشر میں فرمائے
محمد کا غلام آیا، محمد کا غلام آیا

انعام گوالیاری

دنیا کی سب سے پہلی یونیورسٹی

دنیا کی سب سے پہلی اسلامی یونیورسٹی مراکش کے شہر فاس میں 859ء میں قائم ہوئی۔ محمد بن عبداللہ فہری قیروانی نے اس یونیورسٹی کے بنانے کا حکم دیا۔ موت نے ان کو مہلت نہ دی، مگر ان کے بعد ان کی بیٹیوں فاطمہ اور مریم نے اپنے والد کی وصیت پر عمل کرتے ہوئے یونیورسٹی مکمل کروائی۔

یونیورسٹی میں ایک جامع مسجد کے علاوہ فقہ اور دوسرے علوم پڑھانے کے لیے بہت سی عمارتیں بنائی گئیں اور اس یونیورسٹی کو مدینۃ العلم کا نام دیا گیا۔

(سنہری اوراق، عبدالمالک مجاہد، ص:372)

مسجدِ نبوی شریف کی لائبریری

- یہ لائبریری سن 1352ھ میں قائم ہوئی اور شیخ احمد یاسین خیاری (متوفی 1380ھ) اس کے پہلے نگران مقرر ہوئے۔ سن 1399ھ میں یہ لائبریری مسجدِ نبوی شریف کی پہلی سعودی توسیع میں شمالی جانب بابِ عمرؓ کے متّصل ہال میں منتقل ہو گئی۔
- دوسری سعودی توسیع کے بعد اسے مسجدِ نبوی شریف کے شمال مغربی کونے میں 10 نمبر دروازے کے اوپر چھت میں منتقل کر دیا گیا، اب یہ لائبریری ایک لاکھ کتابوں پر مشتمل ہے اور اس میں 300 کرسیاں ہیں جو مطالعہ کرنے والوں کے لیے خاص ہیں، تحقیقی سہولت کے لیے مختلف کمپیوٹر سیٹ بھی موجود ہیں۔
- یہ لائبریری صبح 7:30 سے شام 9:00 بجے تک کھلی رہتی ہے۔
- مسجدِ نبوی شریف میں عورتوں کی مشرقی اور مغربی نماز گاہ میں دروازہ نمبر 16 اور 24 کے قریب خواتین کی لائبریری موجود ہے۔
- پہلی سعودی توسیع کی شمالی جانب بابِ عثمان کے متّصل پہلی اور دوسری منزل میں مخطوطات کا شعبہ ہے، جس میں بہت سارے مخطوطات کے اصلی تصویر شدہ اور مائیکرو فلم نسخے موجود ہیں۔
- 17 نمبر دروازے کے متّصل مکتبہ صوتیہ ہے، جس میں حرمین شریفین کی نمازوں، خطبوں، دروس اور تلاوت ائمہ حرمین شریفین کی ریکارڈنگ محفوظ ہے۔

(تاریخ مدینہ منورہ، محمد الیاس عبدالغنی، ص:138)

چراغ تلے اندھیرا

منصف حاکم کے قرب میں ظلم ہونا، غیروں کو فائدہ پہنچانا اوراپنوں کو محروم رکھنا۔جب کوئی اپنے غریب عزیزوں کو فائدہ نہ پہنچائے اور غیر لوگ مستفید ہوں تو کہتے ہیں۔

اس کہاوت کے وجود میں آنے کا سبب ایک چھوٹی سی حکایت اس طرح بیان کی جاتی ہے:

حکایت: ایک سوداگر اپنا مال لے کر فروخت کرنے کے لیے کسی شہر کی طرف جارہا تھا۔ بادشاہ کے قلعے کے پاس پہنچتے پہنچتے اسے رات ہوگئی۔ وہ قلعہ کی دیوار کے کنارے ٹھہر گیا۔اس کے خیال میں قلعہ سب سے محفوظ مقام تھا۔رات گزار کر صبح کو شہر کی طرف اسے روانہ ہونا تھا، جس وقت وہ قلعہ کی دیوار کے کنارے سو رہا تھا، اسی وقت قزاقوں نے اس کا سارا مال لوٹ لیا۔ صبح ہونے پر وہ بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور فریاد کرنے لگا:

"قزاقوں نے حضور کے قلعہ کے دیوار کے نیچے میرا تمام مال واسباب لوٹ لیا ہے۔"

بادشاہ نے سوداگر سے کہا: "تو اپنے مال کے لیے ہوشیار کیوں نہ رہا؟"

اس نے کہا: "بندے کو معلوم نہ تھا کہ جہاں پناہ کے زیرِ سایہ بھی مسافروں کا مال لوٹا جاتا ہے۔"

بادشاہ نے کہا: "کیا تو نے جلتا ہوا چراغ نہیں دیکھا کہ چراغ تلے اندھیرا ہوتا ہے۔"

(اردو کہاوتیں، ڈاکٹر شریف احمد قریشی، ص:181)

ایثار کی عمدہ مثال

مسلم بن سعد کہتے ہیں: حج کے لیے جانے لگا تو میرے ماموں نے مجھے دس ہزار درہم دیے اور کہا کہ جب تم مدینہ منورہ جاؤ تو مدینے میں اہلِ بیت میں سب سے زیادہ فقیر گھرانے کا پتا لگا کر یہ رقم اس کو ادا کر دینا۔

جب وہ مدینہ منورہ پہنچے تو لوگوں سے پوچھا: اہلِ بیت میں سب سے مفلس اور فقیر گھرانہ کون سا ہے؟

لوگوں نے ایک گھر کے بارے میں بتایا کہ وہ ان کی نظر میں نہایت مستحق گھرانہ ہے اور وہ اہلِ بیت میں سے ہیں۔

مسلم بن سعد نے اس گھر کے دروازے پر دستک دی، اندر سے ایک خاتون کی آواز آئی، تم کون ہو؟

مسلم بن سعد: میں بغداد سے آیا ہوں میرے پاس بطورِ امانت دس ہزار درہم ہیں، مجھے حکم دیا گیا تھا کہ مدینہ منورہ کے اہلِ بیت میں سب سے زیادہ مستحق گھرانے تک یہ امانت پہنچا دوں۔ لوگوں نے میرے استفسار پر آپ کا گھر بتایا ہے، لہٰذا یہ رقم میں آپ کے حوالے کرتا ہوں۔

وہ عورت کہنے لگی: اے اللہ کے بندے! یہ درہم دینے والے نے شرط لگائی تھی کہ سب سے زیادہ محتاج اہلِ بیت کو یہ رقم دینا تو دراصل بات یہ ہے کہ یہ جو ہمارے ہمسائے ہیں، ہم سے زیادہ محتاج اور فقیر ہیں۔ یہ درہم ان کو دے دو، وہ ہم سے زیادہ مستحق ہیں۔

مسلم بن سعد کہتے ہیں: جب میں نے ان کے ہمسائے کے دروازے پر دستک دی تو اندر سے ایک عورت نے پوچھا: اے اللہ کے بندے! تم کون ہو اور کیا چاہتے ہو؟ میں نے اسے پورا قصہ بتایا کہ تمہاری ہمسایہ خاتون نے تمہارے گھر کا پتا دیا ہے اور کہا ہے کہ یہ گھرانہ اس سے زیادہ محتاج اور مستحق ہے۔

وہ عورت کہنے لگی: اے اللہ کے بندے! دراصل ہم اور ہمارے ہمسائے دونوں ہی نہایت محتاج اور فقیر اور دونوں ہی حاجت مند ہیں۔ تم ایسا کرو کہ اس رقم کو ہم دونوں کے درمیان برابر تقسیم کر دو۔

(سنہرے اوراق، عبد المالک مجاہد، ص:64)

چند پند سودمند

◆دل کے لیے بہترین ورزش نیچے جھکنا اور کسی گرے ہوئے کو سہارا دے کر اٹھانا ہے۔

◆آپ کے لیے حسین خواب حقیقت میں نہیں ڈھلتے، لیکن شکر کریں کہ ڈراؤنے خواب بھی تو حقیقت میں نہیں ڈھلتے۔

◆بعض لوگ کام یابی پر گرفت اس لیے مضبوط نہیں کر پاتے کہ انھوں نے کچھ دوسری چیزوں کو مضبوطی سے پکڑا ہوتا ہے جنہیں وہ چھوڑنا نہیں چاہتے۔

◆ہم ایسے لوگوں کو خراجِ تحسین پیش کرتے ہیں کہ جو اپنے اصولوں سے نہیں ہٹتے، حالاں کہ خراجِ تحسین صرف ان لوگوں کو پیش کرنا چاہیے جو اچھے اصولوں سے نہیں ہٹتے۔

(گلدستہ، انیسہ روشن، ص93)

قربانی کرنے والے کے لیے مستحب ہے

جس آدمی کا قربانی کرنے کا ارادہ ہے، اس کے لیے مستحب ہے کہ ماہ ذی الحجہ کے آغاز سے جب تک قربانی کا جانور ذبح نہ کرلے اپنے جسم کے کسی عضو وجزو سے بال وناخن صاف نہ کرے، کیوں کہ قربانی کرنے والا اپنی جان کے فدیہ میں قربانی کرتا ہے اور قربانی کے جانور کا ہر جزو قربانی کرنے والے کے جسم کے ہر جزو کا بدلہ ہے، جس کا کوئی جزو نزولِ رحمت کے وقت غائب ہونے کی صورت میں قربانی کی رحمت سے محروم رہنے کے مترادف ہے، اس لیے رسول اللہ ﷺ نے مذکورہ حکم دیا ہے، لیکن چالیس دن سے زائد مدّت ہونے کی صورت میں ناخن کاٹنا اور بال صاف کرنا لازم ہوگا۔

(قربانی کے مسائل کا انسائیکلو پیڈیا، مفتی محمد انعام الحق صاحب، ص:121)

ایک آشیانے کے لیے

مشہور صحابی حضرت عمرو بن عاصؓ نے مصر کو فتح کرنے کے لیے وہاں کے ایک قلعے کے سامنے ایک بڑا خیمہ نصب کیا تھا، پیش قدمی کا ارادہ فرمایا تو اس خیمے کو اکھاڑ کر ساتھ لے جانا چاہا، لیکن جب اکھاڑنے کے لیے آگے بڑھے تو دیکھا کہ خیمے کے اوپر کی جانب ایک کبوتری نے انڈے دے رکھے ہیں اور ان پر بیٹھی ہے، خیمہ اکھاڑنے سے یہ انڈے ضایع ہو جاتے ہیں۔ حضرت عمرو بن عاصؓ نے فرمایا کہ اس کبوتری نے ہمارے خیمہ میں پناہ لی ہے، اس لیے اس خیمے کو اس وقت تک باقی رکھو جب تک یہ بچے پیدا ہو کر اڑنے کے قابل نہ ہو جائیں، چناں چہ خیمہ باقی رکھا گیا۔

(کتابوں کی درسگاہ میں، ابن الحسن عباسی، ص:93)

رمضان المبارک 1444ھ 2023ء

بیت السلام ویلفیئر ٹرسٹ

رفاہی خدمات سے لاکھوں افراد مستفید ہوئے

رپورٹ: محمد عزیر

سستی روٹی

راشن

سحری افطاری

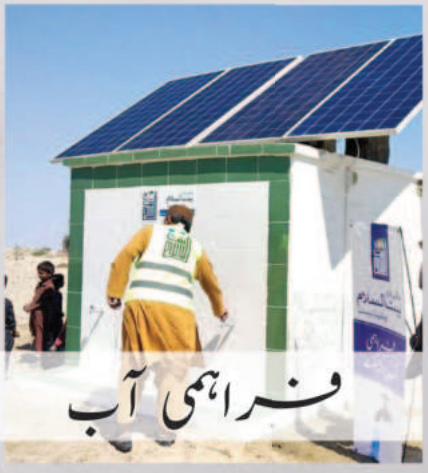
فراہمی آب

کپڑے جوتے

گوشت

www.junaidjamshed.com J.Fragrances.Cosmetics J. Fragrances & Cosmetics J_Frag_Cos J.JunaidJamshed

بیت السلام موبائل ایپ

Available on the App Store

GET IT ON Google Play

- قبلہ ڈائرکشن
- ان فلائٹ نماز ٹائمنگ
- آن لائن ڈونیشن
- زکوۃ کیلکولیٹر
- لائیو اور ریکارڈ بیانات
- روزمرہ کی دعائیں
- قرآن کریم
- نماز ٹائمنگ